ماہنامہ

مسلمان بچے ®

بچوں کے اسلامی و اخلاقی ادب کا ترجمان

لاہور پاکستان

200

www.musalmanbachay.com

شوال ۱۴۴۵/ مئی 2024

ہدایت کے جزیرے

تقبل اللہ منا و منکم صالح الاعمال

عید مبارک

اچھوتی اور دلچسپ کہانیاں مزیدار مستقل سلسلے اور بہت کچھ

سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مُسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچّوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی اور تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

شوال ۱۴۴۵ھ بمطابق مئی 2024ء

شمارہ: 10 جلد: 17

قیمت فی شمارہ: 70 روپے
سالانہ زرتعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیلِ رقم اور حصولِ رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابن مبارک
37۔حق سٹریٹ
اردو بازار۔لاہور
موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں








اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

’’پھر اگر یہ منہ پھیرلیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو، جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں، خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا، سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں۔‘‘

(النساء:۸۹،۹۰)

حمد باری تعالیٰ

تیرا نام لیتے ہیں غنچے چٹک کر
کلی تیری عظمت کے گُن گا رہی ہے
زباں پتے پتے کی اس سے معطر
اسی نام پہ شاخ لہرا رہی ہے
چمن توحکایت ہے تیری عطا کی
جو ہر رنگِ گل میں نظر آرہی ہے
ہوا سر سرائے ترا نام لے کر
فضا پہ عجیب نغمگی چھارہی ہے
الجھ کر ہوا ٹہنیوں سے شجر کی
ترے نام کے زمزمے گارہی ہے
ترا نام سورج کی گرمی کا باعث
اسی سے یہ سب روشنی آرہی ہے

فرمان رسول اکرم ﷺ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہو گی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہ خدا میں خرچ کردوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچا لوں۔

(صحیح بخاری)

نعت رسول مقبول ﷺ

کوئی ہے ان کے سوا شافع محشر بولو
کوئی ہے ان کے سوا صاحب کوثر بولو
کس کے سر پر ہے سجی ختم نبوت کی کلاہ
آخری کون ہے اللہ کا پیمبر بولو
اک اشارے سے کیا چاند کو کس نے دو نیم
چاند سے بڑھ کے تھا کس کا رخ انور بولو
ہر نبی آتا تھا اپنے ہی زمانے کے لئے
ہر زمانے کا ہے اب کون پیمبر بولو
سب کتابیں ہوئیں منسوخ جب آیا قرآں
ساری دنیا کا ہے قرآن ہی رہبر بولو
کلمہ کیوں نہ پڑھیں اس کا کہ ہم ہیں انساں
کلمہ پڑھتے تھے اس شخص کا پتھر بولو



ایک دُعا یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ التَّرَدِّیۡ، وَالۡھَدمِ، وَالۡغَرَقِ، وَالۡحَرِیۡقِ

ترجمہ: یا اللہ! میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں کسی عمارت وغیرہ کے نیچے دب جانے سے اور گر کر، ڈوب کر یا جل کر مرنے سے

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنۡ مَعَاذِ ابۡنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَنۡ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الۡجَنَّۃَ

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (سنن ابوداؤد)

کچھ نہ کچھ تو ہے

گلشن میں اس گلی کی فضا کچھ نہ کچھ تو ہے
پھولوں میں تیری بوئے قبا کچھ نہ کچھ تو ہے

آئی تو نکہتوں کے دریچے سے کھل گئے
لائی ترا پیام صبا کچھ نہ کچھ تو ہے

اقرار تم کرو نہ کرو جانتے تو ہو
خاموشیوں میں ہم نے کہا کچھ نہ کچھ تو ہے

بے بات تو نہیں ہے یہ عالم گریز کا
یہ بے رخی یہ شرم و حیا کچھ نہ کچھ تو ہے

اہل وفا جو مرتے ہیں آزارِ عشق پر
اس بے کلی میں ان کو مزا کچھ نہ کچھ تو ہے

راہِ وفا ہے تری زلفوں کا پیچ و خم
تسکینِ قلب آبلہ پا کچھ نہ کچھ تو ہے

سمجھے اسے وہی جو سُنے اس کو غور سے
ہر سانس میں کسی کی صدا کچھ نہ کچھ تو ہے

غم بیکراں ہوا تو تحیر سا چھا گیا
غم بھی ہم اہل غم کی دوا کچھ نہ کچھ تو ہے

لے کوئی اس سے کام تو احساسِ گمرہی
منزل کی سمت راہنما کچھ نہ کچھ تو ہے

کیفی ہجوم یاس ہے یا نازِ بندگی
اُٹھتے نہیں ہیں دست دعا، کچھ نہ کچھ تو ہے

محمد زکی کیفی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

تقبل اللہ منا و منکم صالح الاعمال

کل عام وانتم بخیر

عید مبارک

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں معروف ہے کہ وہ رمضان المبارک کی آمد سے چھ ماہ پہلے اللہ تعالیٰ سے دعاء شروع کر دیتے تھے کہ انہیں عافیت و قبولیت والا رمضان نصیب ہو جائے اور رمضان گزرنے کے بعد اگلے مہینے اس فکر میں گزار دیتے تھے کہ آیا ان کا رمضان قبول ہوا یا نہیں؟ وہ اس کا حق اداء کر پائے یا نہیں؟

گویا کہ انہوں نے رمضان المبارک کو اپنی زندگی کا محور بنا رکھا تھا۔ان کی زندگی کا کچھ حصہ اس کے شوق میں اور کچھ اسی کی فکر میں گزر جاتا۔

کیوں نہ ہو۔

انسان کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا اور پھر جس ھدف کے حصول کی خاطر زمین پر بھیجا گیا اس کی تکمیل اور حصول کے لئے رمضان المبارک سے قیمتی وقت اور کوئی نہیں ۔انسان کو اگر یاد ہو کہ اسکا مقصد تخلیق عبادت ہے تو عبادت کا موسم بہار رمضان المبارک ہے۔

انسان کو اگر ذہن نشین ہو کہ دنیا کی اس زندگی کا سب سے بڑا ھدف آخرت کی تعمیر اور اسکی کامیابی کا حصول ہے تو اس تعمیر کا سیزن رمضان المبارک ہے۔

رمضان روزے کا مہینہ:

وہ عمل جس کی اصل جزاء ظاہر ہی نہیں کی گئی بلکہ راز رکھ لی گئی ۔ارشاد فرمایا:

’’بنی آدم کا ہر عمل سات سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے سوائے روزے کے، وہ میرے لئے اور میں ہی اس کی جزاء دوں گا‘‘۔

رمضان قرآن کا مہینہ:

اور قرآن کامیابی کا مکمل نصاب ہے ۔ایک مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں کس مقام کا حامل ہے اور اس کا درجہ کیا ہے اس کا علم اس کے قرآن مجید کے ساتھ تعلق سے لگتا ہے۔

قرآن کی تلاوت، قرآن کا فہم وتدبر، قرآن پر عمل، قرآن کی تعلیم، قرآن کی دعوت، قرآن کے نفاذ کی محنت ایک مومن قرآن مجید کے ان شعبوں سے جس قدر جڑا ہوا ہے اسی قدر کامل ہے۔اور رمضان المبارک کو قرآن مجید سا تھ خاص نسبت ہے۔اس کے دن رات میں قرآن مجید کی تلاوت کی عام حالات سے کثرت اور زیادہ اہتمام خود آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور امت کے اسلاف ہر زمانے میں اس سنت پر کار بند رہے ہیں۔

رمضان جہاد کا مہینہ:

بدر کا مہینہ، فتح مکہ کا مہینہ، جہاد کی سب سے بڑی حجتوں کے قیام والا مہینہ۔ایک مومن کی زندگی کے جو لمحات جہاد کے عمل میدان میں گزر جائیں، ایک مومن کے مال جو حصہ جہاد پر صرف ہو جائے وہ کس قدر قیمتی ہے قرآن وحدیث اس پر گواہ ہیں اور اگر یہ سعادت رمضان المبارک میں نصیب ہو جائے تو پھر کیا کہنے۔

رمضان سخاوت کا مہینہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویسے ہی سب سے زیادہ سخی تھے لیکن رمضان المبارک آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخاوت ہواؤں سے بھی بڑھ جاتی تھی (یہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں)۔اب جس مومن کو رمضان المبارک کے ایام میں اس سنت سے حصہ نصیب ہوا اس کی سعادت کا کیا ٹھکانا۔

مبارک ہو ان اہل ایمان کو جنہیں قبولیت والے روزے ملے، قرآن کا تعلق ملا، جہاد کی محنت ملی اور سخاوت سے حصہ ملا، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے بنا دے۔

آمین

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو امام



عید مبارک

کشف خالد

’’چاند نظر آگیا، عید کا چاند نظر آگیا، چاند نظر آگیا‘‘

عید کے چاند پر نظر پڑتے ہی دس سالہ حسن کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمکنے لگا اور وہ پورے گھر میں ’’آگیا، عید کا چاند نظر آگیا‘‘ کا شور مچانے لگا اور پھر دوڑ کر الماری میں سے عید کے لیے منتخب کیے گئے کپڑے نکالے اور انہیں الٹ پلٹ کے دیکھنے لگا۔

حسن کا دل چاہ رہا تھا کہ بس جلدی صبح ہو اور وہ نئے کپڑے پہنے کہ اتنے میں امی کمرے میں آگئیں۔

’’حسن بیٹا! یہ کیا کر رہے ہو تم؟ نئے کپڑے کیوں نکالے ہیں‘‘

’’امی جان! میں تو بس کپڑوں کو دیکھ رہا تھا‘‘، حسن نے کپڑے پھر سے الماری میں رکھتے ہوئے کہا۔

’’امی جان! میں خالہ جان کے گھر جا رہا ہوں



عید کے چاند کی خوشخبری سنانے'' یہ کہہ کر حسن کمرے سے باہر نکل گیا۔

''لیکن جلدی آنا'' امی اسے جاتا دیکھ کر بولیں اور پھر مسکرا دیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ حسن اب پورے محلے کے لوگوں کو عید کے چاند کی خوشخبری سنائے گا۔

☆......☆......☆

''آج عید کا دن تھا حسن بہت خوش تھا۔ اس نے بڑے شوق سے نئے کپڑے پہنے۔ خوشبو لگائی، وہ آج عید کے چاند کی طرح نظر آرہا تھا۔ حسن نے اپنے گھر والوں سے عید ملی۔ اتنے میں امی جان گرم گرم سویاں لے آئیں۔

سب گھر والوں نے مل کر سویاں کھائیں اور امی جان کی بہت تعریف کی کہ ان کے ہاتھوں میں ذائقہ ہے اور پھر حسن ابو اور چچا جان کے ساتھ عید کی نماز کے لیے عید گاہ کی طرف چل دیا۔

عید کی نماز کے بعد ابو کی طرح حسن نے لوگوں سے عید ملی اور گھر کی طرف چل دئے۔

گھر آکر ابو اور چچا جان برآمدے میں بیٹھ کر دادی جان سے باتیں کرنے لگے کہ اتنے میں حسن بھی آگیا اور ایک کونے میں پڑی خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

حسن کو لگ رہا تھا کہ سب لوگ اسی کی طرف توجہ دیں گے لیکن اس وقت سب لوگ باتوں میں اتنے مصروف تھے کہ کسی نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں دی۔

حسن نے سب کے چہروں کو باری باری دیکھا لیکن جب اسے یقین آگیا کہ کسی کا دھیان بھی اس کی طرف نہیں ہے تو وہ مایوس ہو کر اٹھا ہی تھا کہ چچا جان کی نظر اس پر پڑ گئی انہوں نے اشارے سے ابو کا دھیان بھی اس طرف کرایا۔

''ارے کہاں جا رہے ہو؟ میرے شہزادے؟'' ابو اسے جاتا دیکھ کر بولے۔

ابو کو اپنی طرف متوجہ پا کر حسن نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

''آپ لوگ تو میری طرف توجہ ہی نہیں دیتے اسی لئے میں کمرے میں جا رہا ہوں''

''آپ کیا کہنا چاہتے تھے بیٹا!'' چچا جان نے اسے مایوس دیکھ کر پوچھا۔

'' جانے دیں اِسے بھائی جان! جانے دیں!'' ابو نے شرارت آمیز لہجے میں کہا کیوں کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ حسن عیدی لینے کے لیے آیا تھا۔

''جاؤ بیٹا! آرام کرو!''

''نہیں'' حسن نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''پہلے میری عیدی'' اور اپنا ہاتھ ابو کے آگے بڑھا دیا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے'' ابو مسکرا دیے اور پھر اپنی جیب سے پانچ سو کا ایک نوٹ نکالا اور حسن کو تھماتے ہوئے بولے۔

''ان پیسوں کا صحیح استعمال کرنا''

اب چچا جان کی باری تھی۔ حسن نے اب چچا جان کے آگے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے بھی پانچ سو کا ایک کڑک نوٹ حسن کے ہاتھ میں تھمایا۔

اب حسن نے دادی جان اور امی جان سے بھی عیدی لی۔ سب نے اسے یہی نصیحت کی کہ ان پیسوں کا صحیح استعمال کرنا۔

اب حسن کے پاس دو ہزار روپے جمع ہو گئے تھے اور وہ بہت خوش تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد حسن ابو سے ضد کرنے لگا کہ اسے آئس کریم کھلانے لے چلیں چناچہ ابو اسے آئس کریم کھلانے لے گئے۔

آئس کریم خریدنے کے بعد وہ دونوں سڑک کے کنارے ایک درخت کی چھاؤں میں ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

آئس کریم کھانے کے دوران اچانک حسن کی نظر اس کے ہم جماعت امجد پر پڑی۔

''ابو! میں اپنے ایک ہم جماعت سے مل کر آتا ہوں'' حسن یہ کہہ کر امجد کی طرف دوڑا۔

امجد آئس کریم کی دکان کے قریب ہی ایک دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ امجد نے اس کے قریب جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر حسن کی طرف دیکھا اور بولا۔

''ارے حسن! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''میں یہاں بابا جان کے ساتھ آئس کریم کھانے آیا تھا''

''تم نے آئس کریم نہیں خریدی؟'' حسن نے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر سوال کیا۔

''نہیں مجھے آئس کریم پسند نہیں ہے''

امجد نے دوسری طرف منہ موڑتے ہوئے کہا۔ حسن کو یاد آیا کہ امجد نے اسے اسکول میں ایک بار بتایا تھا کہ اسے آئس کریم بہت پسند ہے۔

''یہ لو آئس کریم'' حسن نے اپنی آئس کریم امجد کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس دوسری آئس کریم موجود ہے جو میں ابو کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ اس لیے یہ آئس کریم تم کھاؤ!''

امجد نے پہلے حسن کے چہرے کی طرف دیکھا پھر آئس کریم لے لی۔

حسن نے امجد کے کپڑوں کی طرف دیکھا تو اس نے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے جبکہ آج عید کا دن تھا اور سب بچوں نے نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

حسن جانتا تھا کہ امجد ایک غریب گھر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا باپ ایک مزدور ہے ان کے پاس اتنے پیسے نہیں ہونگے کہ وہ اپنے بچوں کو نئے کپڑے اور نئی نئی چیزیں خرید کر دیں۔

حسن کو اچانک اپنی جیب میں پڑے دو ہزار روپے کا خیال آیا۔

اس نے اپنی جیب سے دو ہزار نکالے اور امجد کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ میری طرف سے عید کا چھوٹا سا تحفہ ہے تمہارے لیے"

"لیکن میں یہ نہیں لے سکتا یہ تو..."

"میری طرف سے یہ تحفہ قبول کرلو مجھے خوشی ہوگی" حسن نے امجد کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اور پھر دونوں مسکرانے لگے۔

حسن کے والد یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے حسن کے آتے ہی انہوں نے پوچھا۔

"حسن یہ کون تھا؟"

"ابو! یہ امجد ہے میرا ہم جماعت ابو! وہ بہت غریب ہے اس نے نئے کپڑے بھی نہیں پہنے تھے"

"تو تم نے اس کی مدد نہیں کی؟" ابو نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوال کیا۔

"ابو! آپ نے مجھے جو عیدی دی تھی نہ اور آپ نے کہا تھا کہ میں ان پیسوں کا صحیح استعمال کروں۔ اس لیے میں نے وہ پیسے امجد کو دے دیے کہ وہ ان پیسوں سے کھانے کی کچھ چیزیں ہی خرید لے اور ایک بار امی جان نے مجھے بتایا تھا کہ غریبوں کی مدد کرنے سے اللہ پاک خوش ہوتا ہے"

تم نے صحیح کہا میرے بیٹے! غریبوں کی مدد کرنے سے واقعی اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے" حسن کے والد نے پیار سے حسن کے سر پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا اور مسکرا دیے۔

پھر وہ حسن کو لیکر بازار کی طرف چل دیے۔ وہاں سے نئے نئے کپڑے اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں خریدیں اور حسن کے ساتھ امجد کے گھر کی طرف چل دیے۔

دروازے پر دستک پا کر امجد باہر نکلا تو اپنے سامنے چیزوں کا ڈھیر دیکھ کر وہ حیران ہوگیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن وہاں پر کوئی موجود نہیں تھا۔ امجد وہ چیزیں گھر کے اندر لے آیا۔

امجد اور اس کی چھوٹی بہن نئے کپڑے اور نئی چیزیں دیکھ کر بہت خوش تھے اور ادھر حسن اور اس کے والد بھی دل ہی میں مسکرا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی غریب کی مدد کرنے کے لئے چنا۔

☆......☆......☆

اندھیرا اور چراغ

دنیا کی محبت اندھیرا ہے، تقویٰ اس کا چراغ ہے۔

گناہ اندھیرا ہے، توبہ اس کا چراغ ہے۔

آخرت اندھیرا ہے، نیک عمل اس کا چراغ ہے۔

پل صراط اندھیرا ہے، یقین اس کا چراغ ہے۔

قبر اندھیرا ہے، کلمہ طیبہ اس کا چراغ ہے۔

حسنین معاویہ



سنہری شہزادے

محمد مستقیم

اپریل کا مہینہ شروع ہوا تو گندم کے کھیت میں گہما گہمی بڑھ گئی۔گندم کے کھیت نے سبز چادر اتار کر سنہری چادر پہننے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ جی ہاں! گندم کے سر سبز خوشے پکنے لگے تھے اور اب ان کا رنگ سنہری ہونے لگا تھا۔

اس تبدیلی پر ان کا جوش و خروش دیدنی تھا۔لیکن ابھی وہ مکمل طور پر نہیں پکے تھے۔انھیں اس وقت ضرورت تھی،سورج کی سنہری کرنوں کی،سونے جیسی رنگت والی سنہری کرنیں جنھوں نے گندم کے خوشوں کو کندن بنانا تھا۔گندم کے خوشے روزانہ ہوا میں لہلہاتے اور سورج تک اپنا پیغام پہنچاتے:

”سورج میاں! اپنی تپش بڑھاؤ، ہم نے پکنا ہے۔ہم نے سونے کی طرح سنہری رنگ نکالنا ہے“

سورج میاں مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلاتے اور کہتے:

” جلدی نہیں ، جلدی نہیں بچو! صبر کرو اور انتظار کرو۔“

اب ہر گزرتے دن کے ساتھ سورج میاں کی تپش میں اضافہ ہو رہا تھا اور گندم کے خوشے پک کر نکھرنے لگے تھے۔

ان کا سنہری رنگ کھیت کے سینے پر دمکنے لگا تھا۔ کسان یہ سنہری رنگ دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔



ایک روز عصر کا وقت تھا۔کسانوں نے نماز عصر ادا کی۔نماز کے بعد وہ کٹائی کے لیے کام

آنے والی درانتیوں کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے کہ اچانک آندھی کے آثار نظر آنے لگے ۔دیکھتے ہی دیکھتے تیز آندھی نے پورے علاقے کو لپیٹ میں لے لیا۔آندھی اپنے ساتھ گردوغبار کا طوفان بھی لائی تھی۔آندھی نے خوفناک قسم کا شور مچایا ہوا تھا۔

ہوا اتنی تیز تھی کہ گندم کے خوشے زمین کو چومنے لگے تھے ۔اس دوران کچھ پودے اوران کے خوشے زمین پر بھی گر کر دم توڑ چکے تھے ۔جو بچے ہوئے تھے،ان پر خوف طاری ہو چکا تھا۔وہ بہت زیادہ ڈرے ہوئے تھے ۔ان کے رنگ فق ہو چکے تھے ۔

”اب کیا بنے گا دوستو؟“

ایک خوشے نے لرزتے ہوئے کہا۔

”اللہ کو یاد کرتے ہیں ۔“

دوسرے خوشے کی کانپتی آواز سنائی دی ۔ایسے میں انھیں زمین کی آواز سنائی دی ۔

”ڈرو مت میرے بچو!“

وہ یہ آواز سن کر چونکے ۔

”آپ آپ کون؟“

ایک خوشہ ہکلایا۔

”ہاہاہاہاہا!“

زمین ہنسی حتی کہ زمین ہلنے لگی ۔ پھر وہ بولی:

”لو جی !تم مجھے ابھی تک نہیں پہچانتے ؟“

”نہیں بالکل نہیں ۔“خوشے نے کہا۔

”لگتا ہے تمھارے تنے نے تمھیں میرے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔

کیوں بھئی کیا یہ سچ ہے؟“

زمین نے تنے کے کان کھینچے تو اس کے منہ سے آہ سی نکل گئی ۔وہ گھگیاتے ہوئے بولا:

”ماں جی! مم معاف کیجیے،وقت ہی نہیں ملا،آپ تو جانتی ہیں کہ ہم سب کتنے مصروف رہتے ہیں،صبح سے شام تک ہم خوراک بناتے ہیں تاکہ ہمارے خوشوں کی نشوونما اچھی ہو۔“

”اب میرا تعارف کراتے ہو یا....؟“ زمین نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”جی جی! کیوں نہیں ،بچو سنو! یہ زمین ہے ،ہماری ماں ،ہم سب کی ماں ،اسی کی گود میں ہمارا وجود پلا بڑھا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے تنوں پر تمھاری شکل میں خوب صورت خوشے عطا فرمائے ہیں ۔“

تنے نے خوشے کے سامنے زمین کا تعارف پیش کیا اور زمین کی ساری کارگزاری تفصیل سے سمجھائی ۔یہ سن کر سبھی خوشے ہکا بکا رہ گئے ۔انھیں زمین پر بے اختیار پیار آنے لگا۔ان کا دل چاہا کہ وہ زمین کے گلے لگ جائیں ۔آندھی کا زور اب ٹوٹ چکا تھا۔زمین نے تمام خوشوں سے بات چیت شروع کی اور بولی:

”میں اکثر چپ چاپ رہتی ہوں ۔آج تمھارا ڈر اور خوف دیکھا تو میں نے سوچا تم سے بات

کروں اور تمھیں سمجھاؤں ۔سنو! ہم صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کیوں کہ وہی اس کائنات کا رب ہے ۔اس کے علاوہ ہمیں کسی سے بھی نہیں ڈرنا چاہیے ۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہم نے اپنا مقصد سمجھنا ہے کہ ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں ۔سنو بچو! ہمارا مقصد مخلوق کے کام آنا ہے۔"

زمین اتنا کہہ کر سانس لینے کو رکی پھر وہ گویا ہوئی:

"دیکھو! مخلوق خدا کی خدمت کرتے ہوئے تمھارے ایک دانے نے میری گود میں سر رکھا تھا۔اس کی وجہ سے تمھارا پودا بنا اور آج اس ایک دانے کی محنت سے تمھارے خوشے میں بیس دانے ہیں ۔اب آگے اس سلسلے کو تم نے بڑھانا ہے ۔بس اپنا مقصد نہیں بھولنا۔مخلوق خدا کی خدمت کرنی ہے اور بس ۔اس مقصد کے لیے تمھیں پیسا بھی جائے تو اف تک نہ کرنا۔"

گندم کی تقریر سبھی خوشوں تک پہنچ رہی تھی ۔وہ سب ہمہ تن گوش بنے یہ باتیں سنتے رہے ۔جیسے ہی زمین کی بات مکمل ہوئی ،وہ سب بیک زبان بولے:

"ٹھیک ہے ماں جی!"

ان کا جوش و خروش دیکھ کر زمین نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں موند لی تھیں ۔وہ مطمئن ہوگئی تھی۔

چند دن بعد گندم کی کٹائی ہوئی ۔اس کے بعد گندم کے خوشوں کو ان کے تنوں سمیت جمع کر کے بنڈل بنا کر باندھ دیا گیا۔پھر گندم کے دانوں کو بھوسے سے الگ کرنے کے لیے تھریشر مشین لائی گئی ۔اگلے دن گندم کی گہائی کا عمل بھی مکمل ہوگیا۔

اب گندم کے دانے بوریوں میں بند ایک انجان منزل کی جانب رواں دواں تھے ۔دھرتی اپنے جگر گوشوں کو ،اپنے سنہری شہزادوں الوداع کہہ رہی تھی ۔

☆......☆......☆

مشکل الفاظ کے معانی ۔

گہما گہمی: ہل چل ،شور وغل

خوشے: گندم کی بالیاں جن میں دانے ہوتے ہیں ۔

دیدنی: دیکھنے کے قابل ،تعریف کے قابل

کندن: خالص سونا

تپش: حرارت ، گرمی

درانتی: وہ آلہ جس کی مدد سے کسان فصل کاٹتے ہیں ۔

ہکا بکا: حیران رہ جانا

آنکھیں موند لینا: آنکھیں بند کر لینا

تھریشر: وہ مشین جو ٹریکٹر کے ساتھ لگا کر چلتی ہے اور گندم کے دانے نکالتی ہے ۔

بھوسہ: گندم کے پودے کا چورا جو دانہ نکلنے کے بعد بچ جاتا ہے ۔

حافظ قرآن

سیدہ فاطمہ طارق

قرآن مجید چونکہ کلام الٰہی ہے۔ اس لیے اس کلام کا معلم اور متعلم سب سے بہتر ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

مشہور جلیل القدر تابعی عبدالرحمن السلمی رحمہ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے سے لیکر حجاج کے زمانے تک قرآن کی تعلیم دیتے رہے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس حدیث نے (جامع مسجد کوفہ کے) اس مقام پر تعلیم قرآن کے لیے بٹھا رکھا ہے۔

حافظ قرآن کی فضیلت کے بارے میں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے اور وہ اس کا حافظ بھی ہے تو اس کا مقام خدائی ہدایت پہنچانے والے مکرم فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اسکو یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کو سخت دشواری آتی ہے تو اس کے لیے دہرا اجر ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص



نے قرآن کریم پڑھ لیا (حفظ کرلیا) تو اس نے (علوم) نبوت کو اپنی دونوں پسلیوں کے درمیان (یعنی دل میں) لے لیا۔ مگر اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی۔

حافظ قرآن کے لیے زیبا نہیں کہ سختی کرنے والوں کے ساتھ سختی کرے اور جاہلوں کے ساتھ جہالت والا برتاؤ کرے جبکہ اس کے پیٹ (دل) میں اللہ تعالی کا کلام (محفوظ) ہے۔

اس حدیث مبارک میں حافظ قرآن کے بلند مقام سے روشناس کرایا گیا ہے کہ اس نے سینے میں علوم نبوت کو سمو لیا ہے۔ حافظ قرآن اسلام کا علمبردار ہوتا ہے قرآن کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لغو کاموں میں مشغول نہ ہو۔

قرآن مجید میں زندگی گزارنے کے تمام ضابطے اور اصول ہیں اگر ان کے مطابق زندگی گزاری جائیگی تو آخرت میں نجات اور فلاح حاصل ہوگی۔ اگر قرآن کے احکامات کے مطابق کوئی زندگی بسر نہ کریگا تو اسے آخرت میں سزا ملے گی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حفاظ قرآن کے لیے یہ نصیحت کی کہ:

اے قراء کے گروہ! اپنے سروں کو اٹھاؤ تمہارے سامنے دین کا راستہ واضح ہو چکا ہے۔

لہذا خیر کی باتوں میں سبقت لے جاؤ، اور لوگوں پر بوجھ نہ بنو۔

حفاظ قرآن اللہ تعالیٰ کے ولی اور اس کے خاص بندے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں وہ حضرات؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل قرآن ہی اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے خاص بندے ہیں اور قرآن کریم میں اولیاء کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

ترجمہ: یاد رکھو جو اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اسی طرح قرآن مجید یاد کر کے بھول جانے پر بھی حدیث میں وعید آئی ہے۔ قرآن جب ایک مرتبہ یاد کرلیا خواہ ناظرہ پڑھا ہو یا حفظ کیا ہو اسے قائم رکھنا چاہیے۔

یاد کئے ہوئے قرآن پاک کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ وہ بھول نہ جائے کیونکہ شیطان کا زور اس بات پر بڑا شدید ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو قرآن پاک سے غافل کر دیا جائے جنہوں نے قرآن کو یاد کیا ہو۔ اس طرح قرآن مجید بھول جانا گناہ کے زمرے میں شمار ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس کو بالکل ناپسند کیا ہے۔

قرآن کی بدولت ہی دل آباد ہوتا ہے۔جس دل میں اللہ تعالی کا کلام ہوگا وہ دل شاداں ہے ورنہ دل ویرانے کی مانند ہے۔

انسان کا دل ایمان وقرآن کے نور سے خالی ہوتو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

جس دل میں قرآن نہیں اس دل میں شیطان کا دوردورہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسل نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف کو پڑھے اور پھر اس کو بھول جائے قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوڑھی ہو کر حاضر ہوگا (کوڑھ وہ بیماری ہے جس سے ہاتھ پیر وغیرہ اعضاءگل سڑ جاتے ہیں اور انسانی بدن کا گوشت سڑ کر گر جاتا ہے)۔

شرح احیاء العلوم میں ہے کہ سال میں دو مرتبہ ختم قرآن شریف کا حق ہے۔اب وہ حافظ قرآن جو قرآن یاد کر کے بھول گئے یا بھول کر بھی قرآن نہیں کھولتے ذرا غور فرمالیں۔

قرآن مجید کو ترتیل و تجوید سے پڑھنا بھی بہت ضروری ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”قرآن کریم کے پڑھنے کا طریقہ بھی سیکھو جیسے اس کے حفظ کو سیکھا کرتے ہو“

امام ابوداود نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی صفت یہ بیان کی ہے کہ آپ کی عادت ایک ایک حروف کو واضح پڑھنے کی تھی۔

ترتیل کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ ترتیل لغت میں صاف اور واضح طور سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

قرآن پاک پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی برکت یہ ہے کہ صرف اس کا پڑھنے والا ہی فیضیاب نہیں ہوتا بلکہ اس کے والدین کے لیے بھی اجروثواب اور انعام ہے۔

جن کی اولاد قرآن کی تعلیم حاصل کرتی اور اس کے مطابق عمل کرتی ہے ان کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ وہ تاج اگر دنیا میں نمودار ہو جائے تو ہماری آنکھیں اس کی تاب نہ لا سکیں، اور ایسے جوڑے پہنائے جائیں گے جو قیمت میں پوری دنیا سے بھی بڑھ کر ہوں گے۔

ان کے اگلے پچھلے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے اور وہ کل قیامت کے دن چودھویں کے چاند کی شکل میں اٹھائے جائیں گے اور ہر آیت کے ساتھ ان کے درجے بلند ہوں گے۔

قرآن پاک کا عالم اور حافظ ہونا بڑا ہی عظیم وصف ہے جو انسانوں کو دوسروں سے ممتاز کر دیتا ہے۔قرآن کا علم عزت اور احترام کا باعث بنتا ہے

اور انسان کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچاتا ہے۔

علماء اور حفاظ صاحبان کو قرآن کی بدولت ہی معاشرے میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔قرآن کا علم انسانی سوچ میں پرواز پیدا کرتا ہے اور ذہنی فکر کو عروج دیتا ہے کیونکہ جس شخص کے پاس قرآن پاک کا علم ہوگا لامحالہ اسکی سوچ اور فکر دوسروں سے بڑھ جاتی ہے اور وہ اس بات کا اہل ہو جاتا ہے کہ وہ دوسروں کی رہنمائی کرے۔

حامل قرآن کی ہمیں عزت کرنی چاہیے کیونکہ حامل قرآن، قرآن کو پڑھتا ہے اور مضبوطی سے اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتا ہے۔اس لئے وہ معاشرے میں ہر لحاظ سے معزز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حامل قرآن کی ہر جائز دعا قبول فرماتا ہے چونکہ حامل قرآن اکثر قرآن پڑھتا اور پڑھاتا ہے حس کی بناء پر وہ مستجاب الدعوات بن جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کوفہ کے نواح میں جارہے تھے کہ ایک جگہ فساق کا مجمع ایک گھر میں جمع تھا۔ایک گوِیّا جس کا نام زاذان تھا گارہا تھا اور سارنگی بجارہا تھا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی آواز سن کر ارشاد فرمایا۔کیا ہی اچھی آواز تھی اگر قرآن شریف کی تلاوت میں ہوتی اور اپنے سر پر کپڑا ڈالتے ہوئے چلے گئے۔

زاذان نے ان کو بولتے ہوئے دیکھا۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور یہ ارشاد فرما گئے۔اس پر اس مقولہ کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ حد نہیں اور قصہ مختصر کہ وہ اپنے سب آلات توڑ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہو لئے اور علامہ وقت ہوئے۔

حافظ قرآن بننا کوئی اتنا آسان نہیں ہوتا ہے بلکہ بہت محنت سے قرآن حفظ ہوتا ہے۔اسی لیے حافظ قرآن کے والدین کے لیے بھی بہت اجر ہے کیونکہ جب بچہ حفظ کر رہا ہوتا ہے تو ان کو بھی اپنے نظام الاوقات مدرسے کے مطابق کرنا ہوتا ہے تاکہ بچہ بہتر انداز میں اور آسانی کے ساتھ پڑھ سکے۔ ذیل میں حفظ قرآن کے چند سنہری اصول بیان کیے جارہے ہیں:

(۱) تعلیم وتعلم قرآن کے لیے مسجد کا ماحول بہتر ہے کیونکہ مسجد کے ماحول میں اجر وثواب زیادہ ہے۔

(۲) حفظ قرآن میں استاد کی بہت اہمیت ہے۔کیونکہ استاد کے بغیر قرآن پڑھنے میں سنگین غلطیوں کا احتمال ہوتا ہے۔

(۳) حفظ میں اس بات کا بطور خاص خیال رکھنا چاہیے کہ اپنی طاقت اور برداشت سے زیادہ مقدار سبق یاد نہ کیا جائے۔ابوالعالیہ کا قول ہے:

تم قرآن کریم کو پانچ پانچ آیتیں کر کے سیکھو

کیونکہ جبریل امین سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ پانچ آیتیں کر کے ہی قرآن سیکھا ہے۔
(۴) تکرار اور سبق کا بار بار دہرانا حفظ کی بنیاد ہے۔
(۵) حفظ کے لیے بڑی عمر کی نسبت چھوٹی عمر میں حفظ کرنا زیادہ پائیدار و مستحکم ہے۔
حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
علم سیکھو! کیونکہ اگر تم آج کے اصاغر ہو تو کل کے اکابر ہو اور جو حفظ نہ کر سکے وہ تحریر کرے۔
چھ سال کی عمر سے تئیس سال کی عمر تک کا اٹھارہ سال تک کا عرصہ حفظ کے لیے بے حد سنہری اور بہترین زمانہ ہے۔
اس عمر کو بہت غنیمت سمجھنا چاہیے کیونکہ اس عمر میں انسان کا حافظہ ایسا تازہ اور مضبوط ہوتا ہے کہ جو چیز بھی یاد کرنا چاہے بہت جلد یاد ہو جاتی ہے اور پھر بہت دیر سے بھولتی ہے۔
حافظ قرآن کو چاہیے کہ دوزخ کے اور عذاب کے خوف کی اور جنت اور اس کی نعمتوں کے شوق کی آیتیں پڑھے یا سنے تو وہاں ذرا ٹھہرے۔ دوزخ سے پناہ مانگے اور جنت کا سوال کرے۔ ہر خطاب اور قصے میں سمجھے کہ یہ حکم مجھ کو ہو رہا ہے۔
اللہ پاک ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

☆......☆......☆

زبان کا زخم

ناراضگی ظاہر کرنا دل میں برائی رکھنے سے بہتر ہے۔
لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ کسی کو اپنی زبان کے زہریلے نشتر سے مار ہی ڈالو!
ناراضگی کا اظہار رشتے کو بچانے کے لئے کرو!
آپ انسان کے دل میں چاقو گھونپ کر باہر نکال سکتے ہو لیکن چاقو باہر نکلنے کے بعد آپ ہزار بار بھی معذرت کرو معافی مانگو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، وہ زخم اپنی جگہ باقی رہے گا۔
اور زبان کا زخم چاقو سے کہیں بدتر اور دردناک ہوتا ہے!
یاد رکھو کہ زبان کی نرمی دیرپا اثر رکھتی ہے!

بنت و شیم



عزیر کا روزہ

خدیجہ شاہد

عزیر چھٹی جماعت کا طالبعلم ہے۔ وہ شرارتی ہونے کے ساتھ ساتھ تھوڑا لاپرواہ بھی ہے۔

جب سے رمضان المبارک شروع ہوئے وہ سارے روزے رکھ رہا تھا۔ سحری کے بعد نماز پڑھتا اور سو جاتا۔

امی زبردستی اسے اسکول جانے کے لیے اُٹھاتی تھیں۔

اسکول سے آنے کے بعد جیسے تیسے یونیفارم تبدیل کر کے دوبارہ سو جاتا۔

اس کی امی بڑی مشکل سے اُسے دوبارہ ظہر کی نماز کے لئے جگاتی تھیں۔ اس وقت وہ بہت منہ بناتا۔

”امی! ابھی اور سونے دیں!“ کہہ کر پھر سو جاتا۔

کبھی کبھار تو وہ بہت غصہ ہوتا اور آس پاس پڑی چیزیں بھی توڑ دیتا۔

کل ہی اس نے پڑوس میں رہنے والے اپنے دوست علی کو ہی تھپڑ مار دیا، وجہ یہ تھی کہ وہ اس کی سائیکل چلا رہا تھا۔ علی نے اس سے دوستی ختم کر لی تھی۔

دوستی ختم ہونے کی وجہ سے عزیر اور بھی پریشان رہنے لگا کیوں کہ علی اس کا بچپن کا دوست تھا۔ امی اس کی ان حرکتوں سے بہت پریشان تھیں۔ انہوں نے کئی بار اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ عزیر ہر بار ان سے معذرت کرتا لیکن پھر جب اس کو غصہ آتا تو وہ سب کچھ بھول جاتا تھا۔ اس بار تو اس نے حد کر دی۔

گلی میں بچے کرکٹ کھیل رہے تھے کہ بال ان کے گھر میں آ گری۔ ہمسائے کا بچہ اپنی گیند لینے آیا تو عزیر نے اسے گیند نہ دی بلکہ ڈانٹ کر بھگا دیا۔ امی نے زبردستی گیند اس سے لے کر باہر گلی میں بچوں کے پاس پھینک دی۔

انہوں نے عزیر کے غصے کے بارے میں اس کے والد کو بتایا۔ وہ بھی کافی دنوں سے اسے دیکھ رہے تھے لیکن اس کا مسئلہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ ایک دن سحری کے وقت ابو نے کہا،

”آج سے عزیر روزہ نہیں رکھے گا“

عزیر نے جب یہ سنا تو اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"لیکن کیوں ابو جان؟" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹا! روزہ اللہ کے لئے ہے، روزہ صبر کا نام ہے جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو ہم صبر کرنا سیکھتے ہیں۔لیکن اگر ہم روزہ رکھ کر بھی اس طرح کا رویہ رکھیں کہ جیسے ہم دوسروں پر احسان کر رہے ہیں تو ایسے روزے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

اگر روزہ رکھنے سے آپ کے اندر برداشت کا مادہ پیدا نہیں ہوتا تو پھر آپ نے روزہ رکھ کر کیا سیکھا؟"

"ابو میں کسی پر احسان تو نہیں کرتا" عزیر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"لیکن آپ کا انداز تو ایسا ہوتا ہے۔ مجھے بتائیں کیا وجہ ہے کہ آپ کو غصہ بہت آتا ہے؟"

ابو نے پوچھا۔

"ابو جان! میرے سارے دوست میرا مذاق اڑاتے ہیں کہ میں روزہ رکھ کر گھر میں آرام بھی کرتا ہوں۔ مجھے ان کی باتیں بہت بری لگتی ہیں۔ پھر مجھے گرمی اور پیاس بھی بہت لگتی ہے۔"

پہلے تو عزیر خاموش رہا پھر بولا۔

"بیٹا! آپ کو کس نے کہا کہ آپ گھر میں قید ہو کر رہیں، آپ جایا کریں اپنے دوستوں کے پاس۔ان سے ملو۔ان کے ساتھ کھیلو نماز پڑھنے جاؤ! اللہ تعالیٰ روزہ دار کو بہت سے انعام واکرام سے نوازتا ہے۔

رمضان المبارک میں ایک نیکی کا صلہ ستر گنا زیادہ ملتا ہے۔

کسی سے مسکرا کر بات کرنا بھی نیکی ہے۔"

عزیر خاموشی سے یہ ساری باتیں سنتا رہا۔

اس نے سحری کھائی اور ابو کے ساتھ نماز ادا کرنے چلا گیا۔

آج اس کو غصہ بھی نہیں آرہا تھا۔اس نے اطمینان سے نماز پڑھی اور گھر آکر تلاوت قرآن پاک بھی کی۔ جب امی ابو نے عزیر کو اس طرح پرسکون دیکھا تو ان کو بھی اطمینان ہوا۔

اس دن عزیر نے امی کی کام میں مدد بھی کی اور ساتھ والی خالہ اماں کے گھر افطار بھی بغیر ضد کیے دینے چلا گیا۔

"ابو جان! مجھے سمجھ آگئی ہے۔ روزہ صرف بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں بلکہ کسی کی دل آزاری بھی نہیں کرنی چاہیے اور اپنے چھوٹوں سے پیار اور بڑوں کا ادب بھی کرنا چاہیے۔

آج کے بعد میں آپ کو کبھی بھی تنگ نہیں کروں گا۔سب کا خیال رکھوں گا" افطار کے وقت عزیر نے ابو سے کہا۔

اس کی بات سن کر ابو نے اُسے گلے لگا لیا۔

☆......☆......☆



کسی زمانے میں انڈونیشیا کے جنگلوں میں ایک جانور رہتا تھا جسے ”ماؤس ڈئیر“ کہا جاتا تھا۔

یہ ایک قسم کا ہرن ہوتا ہے، دنیا کا سب سے چھوٹا ہرن۔

یہ خرگوش جتنا بڑا ہوتا ہے اور انڈونیشیا والے اسے سب جانوروں سے زیادہ پیار کرتے ہیں اور اس کا ایک سبب بھی بیان کرتے ہیں۔

ننھا منا سا یہ ہرن بڑا ہی خوب صورت، پھرتیلا اور شان دار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے یہ بے انتہا چالاک بھی ہوتا ہے۔ اس کی چالاکی کی بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔

انڈونیشیا ایک ایسا ملک ہے جو بہت سے جزیروں سے مل کر بنا ہے۔ ان جزیروں میں ”جاوا“ ”سماترا“ اور ”بورنیو“ بڑے بڑے جزیرے ہیں۔

ہاں، تو کسی زمانے کی بات ہو رہی تھی۔

جاوا کے جنگلوں کا بادشاہ ایک ٹائیگر تھا جسے اپنی طاقت پر بڑا غرور تھا۔ وہ کسی دوسرے بادشاہ کو اپنے برابر نہیں سمجھتا تھا۔ جنگل کے تمام جانور اس سے ڈرتے تھے۔ اور اس کے سامنے سر جھکائے رہتے تھے۔

جس طرف سے بھی اس کا گزر ہوتا، جانور خوف سے میلوں دور بھاگ جاتے، درختوں پر چھلانگیں مارنے والے لنگور اور بندر چپ چاپ پتوں میں چھپ جاتے۔

آس پاس کے تمام جزیروں کے بادشاہوں سے اس نے اپنی اطاعت قبول کرالی تھی۔

ایک دن اسے خیال آیا۔



''تمام جزیروں کے بادشاہوں نے ہمیں شہنشاہ تسلیم کرلیا ہے اور خراج کے طور پر ہمارے کھانے کے لیے ہمارے حضور بہت سے جانور بھیجتے ہیں، لیکن بورنیو کا بادشاہ ابھی تک بچا ہوا ہے۔ اس نے ابھی تک ہماری اطاعت قبول نہیں کی۔ ہم اسے بھی پیغام بھیجیں گے۔

اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم اس سے بڑے ہیں۔

اگر اس نے انکار کیا تو ایسی خوف ناک سزا دیں گے کہ اس کی یاد ان جنگلوں میں صدیوں باقی رہے گی۔''

اس نے اپنے دربار کے تین ٹائیگروں کو بلا کر کہا:

''ابھی بورنیو جاؤ اور وہاں کے بادشاہ کو ہمارا پیغام پہنچاؤ۔ اس سے کہو کہ وہ دوسرے تمام بادشاہوں کی طرح ہمیں بادشاہ تسلیم کرے۔

ہماری اطاعت قبول کرے اور ہر ماہ جب چودھویں کا چاند نکلے تو خراج کے طور پر ہمارے لیے موٹے تازے جانور بھیجے۔

اگر وہ ہمارا حکم نہیں مانے گا تو ہم خود بورنیو آ کر اسے کھا جائیں گے۔''

درباری بولے: ہم ابھی جاتے ہیں، حضور! کون ہے جو جہاں پناہ کا حکم ٹال سکے؟

جب وہ جانے لگے تو بادشاہ نے آواز دی:

''ٹھہرو!''

وہ جھٹ واپس آ گئے۔

''جی حضور!'' انھوں نے کہا۔

بادشاہ نے اپنی مونچھ کا بال توڑ کر انھیں دیتے ہوئے کہا:

''بورنیو کے بادشاہ کو پیغام کے ساتھ ہی ہماری شاہی مونچھ کا عالی شان بال بھی پیش کرنا اور اس سے کہنا کہ آج تک ہمارے سامنے سر جھکے ہیں، اٹھے نہیں۔

جنگلوں میں بادشاہ تو بہت ہیں، شہنشاہ صرف ایک ہے۔ ہماری مونچھ کا یہ بال گواہ ہے کہ ہم کس قدر طاقت ور اور کتنے خوف ناک اور خونخوار ہیں۔ ہمارا غصہ سمندر کے طوفان کی طرح بپھرتا ہے۔ جاؤ، اور بورنیو کے بادشاہ کا سر جھکا دو!''

جب تینوں ٹائیگرز بورنیو پہنچے تو بری طرح تھک چکے تھے۔ گرمی بہت سخت تھی۔ دو قدم چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ گھنے درخت کا ٹھنڈا سایہ ملتے ہی وہ سستانے لگے۔

ان میں سے ایک بولا، ابھی تو ہمیں اور چلنا ہے، کیوں کہ بادشاہ جنگل کے بیچ کہیں رہتا ہے۔ اب ہم کیا کریں؟

باقی دونوں ساتھی کہنے لگے، اب تو ہماری ٹانگوں نے جواب دے دیا ہے۔ تھوڑی دیر آرام کر کے تازہ دم ہولیں، پھر آگے کا سفر طے کیا جائے گا۔

اتفاق کی بات ہے اسی وقت ننھا ہرن ''ماؤس ڈیئر'' اس طرف آنکلا۔

انھوں نے اتنا چھوٹا سا ہرن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ انھوں نے پکارا:

''ارے او! ادھر آ!''

ہرن ڈر گیا۔ سامنے موٹے تازے ٹائیگروں کو دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور کانپتا ہوا نزدیک آیا اور ادب سے بولا:

''آپ نے مجھے بلایا ہے؟''

انھوں نے ڈراؤنی آواز میں سوال کیا:

''کون ہے تو؟''

اس نے سہم کر جواب دیا:

''جی، میں ایک چھوٹا سا ہرن ہوں''

وہ زور زور سے ہنسنے لگے۔

ان میں سے ایک نے پوچھا:

تیرا بادشاہ کہاں رہتا ہے؟

ہرن نے پوچھا:

کیا آپ بادشاہ سلامت سے ملنا چاہتے ہیں؟

وہی ٹائیگر بولا:

ہاں، ہم جاوا کے جنگلوں سے اپنے شہنشاہ کا پیغام لے کر آئے ہیں۔

دوسرے نے کہا: بورنیو کے بادشاہ کو ہمارے شہنشاہ کی اطاعت قبول کرنی ہوگی۔

''اور خراج کے طور پر ہر ماہ چودھویں رات کو بطور خراج بہت سے جانور جاوا بھیجنے ہوں گے۔ اگر اس نے حکم نہ مانا تو شہنشاہ یہاں آ کر اسے کھا جائیں گے۔

نشانی کے طور پر شہنشاہ نے اپنی شاہی مونچھ کا یہ بال بھیجا ہے۔''

تیسرے نے بات پوری کر دی۔

ہرن نے شہنشاہ کی مونچھ کا لمبا اور موٹا بال دیکھا اور سوچنے لگا۔

''یہ تو بہت برا ہوگا۔ بورنیو کی بڑی بے عزتی ہوگی۔ ان ٹائیگروں کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دینا چاہیے، مگر میں کیا کروں؟''

آخر وہ کچھ سوچ کر بولا:

''آپ تھکے ہوئے ہیں۔ اس گرمی میں کہاں پریشان ہوتے پھریں گے۔ لائیے یہ بال۔ میں خود بادشاہ تک پیغام لے جاتا ہوں اور ان کا جواب لے کر ابھی واپس آتا ہوں۔''

ٹائیگر آپس میں مشورہ کر کے بولے: ٹھیک ہے۔ تو جلد واپس آجا۔ ہم یہیں آرام کرتے ہیں۔

ہرن بال لے کر چل دیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

اگر بادشاہ تک یہ پیغام پہنچ گیا تو وہ ڈر کر تمام باتیں مان لے گا۔ اس جنگل کا اصل حکمران جاوا کا بادشاہ ہو گا۔ ہمارا بادشاہ دوسرے بادشاہ کے سامنے سر جھکائے گا۔

یہ تو بہت شرم کی بات ہے اور پھر تمام جانوروں کا خراج بھیجا جائے گا۔ ہوسکتا ہے ایک دن میری باری آجائے۔ نہیں نہیں، یہ پیغام بادشاہ تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ اف، میں کیا کروں؟ اتنا چھوٹا سا تو ہوں میں!

وہ ان ہی خیالات میں کھویا ہوا چلا جا رہا تھا کہ کسی نے آواز دی:

کہاں چلے جا رہے ہو؟

اس نے مڑ کر دیکھا۔ اس کی پرانی دوست سیہی سامنے کھڑی تھی۔

سیہی کا سارا جسم بڑے بڑے کانٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بس اچانک ہی ہرن کو ایک خیال سوجھ گیا۔

اس نے سیہی سے کہا:

ذرا اپنا ایک کانٹا تو دینا۔

”کیوں، خیر تو ہے؟“

سیہی نے تعجب سے پوچھا اور اسے ایک کانٹا اکھاڑ کر دے دیا۔

”کچھ نہیں، بس یوں ہی“ اس نے جواب دیا اور چھلانگیں مارتا ہوا غائب ہوگیا۔

ٹائیگر اسے دور سے دیکھ کر پکار اٹھے۔

”کیا جواب ہے تیرے بادشاہ کا؟“

ہرن نے کہا:

بادشاہ سلامت نے کہا ہے کہ انھوں نے کبھی کسی بے وقوف ٹائیگر کو نہیں کھایا۔

تمھارا بادشاہ احمق ہے جو مجھے کھانا چاہ رہا ہے، اس لیے میں خود جاوا آ کر تمھارے بادشاہ کو کھا جاؤں گا۔ جاؤ، اپنے نادان بادشاہ کو یہ پیغام دے دو اور اس کے ساتھ ہی نشانی کے طور پر بادشاہ سلامت کی مونچھ کا یہ چھوٹا سا بال لے جاؤ!

ہرن نے انھیں سیہی کا کانٹا دے دیا۔ سخت، لمبا اور نوک دار۔

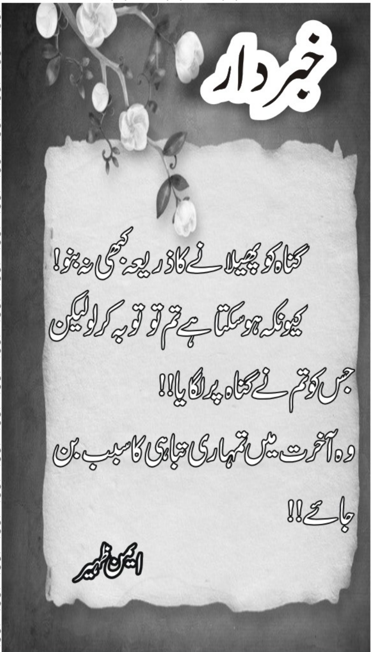
ٹائیگر کانٹا دیکھ کر بوکھلا گئے۔

”جب مونچھ کا بال اتنا خوف ناک ہے تو بادشاہ خود کیسا ہوگا؟“ وہ سوچنے لگے۔

”جلدی سے بھاگ نکلو! ورنہ وہ ہمیں ہی چٹ کر جائے گا“ انھوں نے آپس میں کہا اور وہاں سے بھاگ گئے۔

اس دن کے بعد سے بورنیو کے جنگلوں میں آج تک کوئی ٹائیگر نہیں دیکھا گیا۔

☆......☆......☆



ابوشفاء

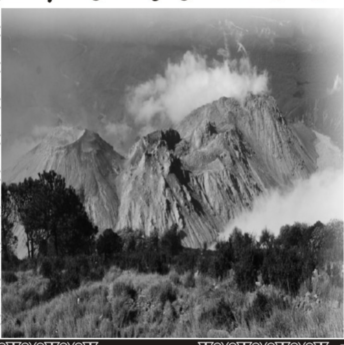


آتش فشاں کا راز

آج آپ کو دنیا کے چند بدترین آتش فشاں پہاڑوں سے آگاہ کرتے ہیں جنھیں انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف والکانولوجی اینڈ کیمسٹری کی جانب سے دنیا کے ''ڈیڈلیئسٹ'' آتش فشاں پہاڑوں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے، اس ریکنگ میں متعلقہ پہاڑ سے لاوے کے اخراج کی شدت اور اس کے باعث رونما ہونے والی تبدیلیوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

نائیرا گونگو

وسطی افریقہ میں واقع یہ خطرناک آتش فشاں پچھلے 2 عشروں میں متعدد دفعہ پھٹ چکا ہے، اگرچہ اس سے زیادہ اموات ریکارڈ نہیں کی گئیں مگر اس سے خارج ہونے والا لاوا بہت خطرناک قسم کا ہوتا ہے کیونکہ صرف ایک دفعہ دھماکے کے بعد اس سے بہت تیزی کے ساتھ لاوا بہنا شروع ہوجاتا ہے جو قریب کی آبادی کو انخلاء کا موقع فراہم نہیں کرتا اور نہ ہی پہلے سے وارننگ دینا ممکن ہوتا ہے، 2002 میں اسی طرح یہ پہاڑ اچانک پھٹ پڑا اور گاڑھا لاوا تیزی سے بہتا ہوا 60 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے قریب کے شہر گوما میں جا پہنچا، اور ساتھ ہی شدید دھماکے کی وجہ سے پہاڑ کے ٹکڑے، چٹانیں اور راکھ فوراً ہی 2 میٹر کے علاقے میں پھیل گئے، مگر خوش قسمتی سے اس کے بارے



میں پہلے سے وارننگ جاری کردی گئی تھی لہذا اطراف کی 3 لاکھ کی آبادی کو بروقت محفوظ مقامات کی طرف منتقل کردیا گیا تھا۔

اواچن سکائی، کوریاسکائی

یہ آتش فشاں پہاڑوں کی ایک جوڑی ہے جو روس کے شہر کم چٹکا پینن سولا میں ساتھ ساتھ واقع ہیں، ان میں سے ایک کا نام اواچن سکائی اور دوسرے کا کوریاسکائی ہے، اواچن سکائی 1737 سے اب تک 16 مرتبہ پھٹ چکا ہے، جن میں



سب سے ہولناک آتش فشانی 1945 میں ہوئی تھی اور اس بڑے پیمانے پر زمینی و جغرافیائی تبدیلیاں بھی واقع ہوئی تھیں، جبکہ آخری دفعہ 1991 میں اواچن سکائی نے لاوا اگلا تھا، اگرچہ ایک طویل عرصے سے یہ دونوں آتش فشاں پہاڑ خاموش اور پرسکون ہیں مگر زیرزمین تبدیلیاں مسلسل جاری ہیں اور مستقبل قریب میں ان میں سے کسی ایک کے پھٹ پڑنے کا اندیشہ موجود ہے جو اس لحاظ سے زیادہ خطرناک ہوگا کہ اب ان دونوں پہاڑوں کے اطراف آبادی بڑھ کر ایک لاکھ 80 ہزار سے تجاوز کرچکی ہے۔

ایٹنا

اٹلی کے سسلی ساحل پر واقع ماؤنٹ ایٹنا کو تاریخی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ اس پہاڑ میں تقریباً 3500 سال قبل سے آتش فشانی کا عمل ہوتا آرہا ہے، اسے دنیا کے سب سے زیادہ متحرک آتش فشانوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس پہاڑ نے آخری دفعہ 2001 میں لاوا اگلا تھا، جس کی بلندی 11 ہزار فٹ تک تھی، اس کے بعد سے اس میں اندرونی اور زیرزمین سرگرمیاں مسلسل جاری ہیں، چونکہ آتش فشانی کے باعث یہاں کی زمین کافی زرخیز ہے، اس لیے سسلی کو اٹلی کی معیشت میں مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، یہاں نہ صرف سال کے 12 مہینوں میں سیاح آتے رہتے ہیں بلکہ زرخیز زمینوں کے ذریعے یہاں سے کثیر زر



مبادلہ بھی حاصل ہو رہا ہے۔

میراپی

یہ آتش فشاں پہاڑ انڈونیشیا کے جزیرہ جاوا اور یوگوکارتا کے درمیان اس خطے میں واقع ہے، جہاں کئی دہائیوں سے زیر زمین سرگرمیاں بہت تیز ہیں، 9560 فٹ بلند ماؤنٹ میراپی کو مقامی زبان میں آگ کا پہاڑ بھی کہا جاتا ہے، اس کا شمار انڈونیشیا کے سب سے متحرک وولکانو میں کیا جاتا ہے، جہاں 1548 سے باقاعدگی کے ساتھ

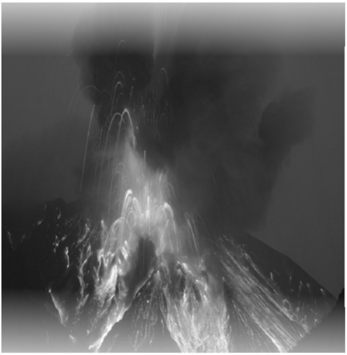


آتش فشانی ہوتی رہی ہے۔

2010 میں اس پہاڑ کے دھماکے سے پھٹنے کے ساتھ ہی بڑی مقدار میں سلفر ڈائی آکسائیڈ راکھ اور کنکریوں کا اخراج ہوا تھا، واضح رہے کہ سلفر ڈائی آکسائیڈ ایک بے رنگ مگر تیز بو والی خطرناک گیس ہے جس سے ایکو سسٹم پر گہرے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

سکوراجیما

جاپان میں کثرت سے آنے والے زلزلوں کے باعث اسے 'لینڈ آف ارتھ کوئیک' بھی کہا جاتا ہے اور سکوراجیما جاپان کے چند اہم آتش فشاں



پہاڑوں میں سے ایک ہے، اس پہاڑ سے 1914 میں لاوا اگلنے کا عمل اس قدر تیز تھا کہ سمندر کے عین مرکز میں واقع اس آتش فشاں سے لاوا بہتا ہوا ساحل پر موجود آبادی تک جا پہنچا، 2010 میں ایک دفعہ پھر یہ پہاڑ شدید دھماکوں سے پھٹ پڑا اور صرف ایک سیزن میں اس سے 800 دفعہ لاوے، راکھ اور گیسوں کا اخراج ہوا، آخری دفعہ اس پہاڑ میں مئی 2017 میں آتش فشانی نوٹ کی گئی تھی۔

سانتاماریا

گوئٹے مالا میں واقع تاریخی اہمیت کا حامل سانتا ماریا آتش فشاں پہاڑ تقریبا 500

سالوں سے بلکل خاموش تھا، پھر طویل عرصے بعد 1902 میں یہ ایک دفعہ پھر سیزمک سرگرمیوں کا مرکز بنا اور شدید دھماکے کے ساتھ کافی زیادہ



شدت کے زلزلے کے جھٹکوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، اگرچہ اس آتش فشانی سے متعلق پہلے سے وارننگ جاری کردی گئی تھیں مگر پھر بھی اس سے 5 ہزار سے زائد افراد ہلاک ہوئے اور بڑے پیمانے پر انفرا اسٹرکچر بھی تباہ ہوا۔

دھماکہ اتنا شدید تھا کہ پتھر اور چھوٹی چٹانیں 1 لاکھ پانچ ہزار میل کے علاقے تک پھیل گئیں اور کثیف دھویں اور راکھ کے بادل کئی ہفتوں تک آسمان پر چھائے رہے۔

اس آتش فشانی کی وجہ سے سانتا ماریا جزوی طور پر تباہ ہوگیا تھا، جس کی یاد میں یہاں ایک ڈوم کمپلیکس تعمیر کیا گیا اور اب اس کے اطراف کی آبادی گنے کے کاشت میں خود کفیل ہونے کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہے۔

کولیما

میکسیکو کا کولیما نامی آتش فشاں پہاڑ 1576 سے 2018 تک تقریبا 40 سے زائد دفعہ پھٹ چکا ہے اور اس کا شمار شمالی امریکہ اور میکسیکو کے متحرک ترین آتش فشانوں میں کیا جاتا ہے۔

913 میں اس پہاڑ میں ہونے والی آتش فشانی کو تاریخ کی سب سے خطرناک آتش فشانی سمجھا جاتا ہے، اس پہاڑ کے اطراف کی موجودہ آبادی تقریبا 3 لاکھ سے زائد ہے جو اس خطرناک



پہاڑ سے صرف 25 میل کے فاصلے پر آباد ہے، یہاں آخری دفعہ 2017 میں زیر زمین حرکات نوٹ کی گئی تھیں اور توقع ہے کہ اگلے چند برسوں میں یہ لاوا اگلنے لگے گا۔

گیلِراس

کولمبیا میں واقع یہ آتش فشاں پہاڑ 1993 میں اس وقت دنیا بھر کی خبروں کا مرکز بن گیا،

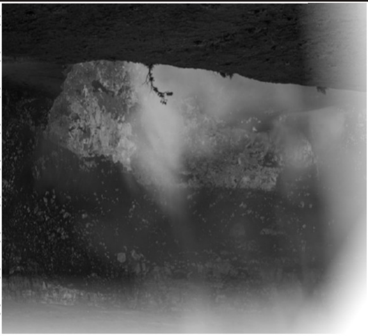
جب یہاں اسٹینلے ولیمز نامی کوہ پیما اپنی ٹیم کے ساتھ عین اس کی چوٹی پر موجود تھے کہ اچانک یہ آتش فشاں دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑا جس کے نتیجے میں اسٹینلے ولیمز اور ان کے 6 ساتھی ہر طرف سے لاوے، راکھ اور پتھروں کی زد میں آگئے، اسٹینلے مرکزی جگہ پر موجود ہونے کے باعث سب سے زیادہ زخمی ہوئے، ان کے جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹیں اور پچھلا حصہ بری طرح جھلس گیا، عین ممکن تھا کہ وہ پتھروں اور راکھ کی بارش میں وہیں دب کر مرجاتے لیکن ان کے ساتھی کوہ پیماؤں نے ریسکیو آپریشن کے ذریعے ان کو باحفاظت نکالا، ان تمام



تفصیلات کو اسٹینلے ولیمز نے اپنی کتاب سروائیونگ گیل راس میں انتہائی دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے، 1993 کے بعد سے یہاں کوئی ایکٹیویٹی نوٹ نہیں کی گئی۔

ماؤنا لوا

ہوائی میں واقع ماؤنا لوا پہاڑ کو دنیا کا سب



سے بڑا آتش فشاں پہاڑ سمجھا جاتا ہے، واضح رہے کہ ہوائی میں اس کے علاوہ 4 اور آتش فشاں پہاڑ بھی ہیں اور یہ سب ہوائی وولکانو نیشنل پارک کا حصہ ہیں، دستیاب ریکارڈ کے مطابق 1843 سے اب تک یہ آتش فشاں 33 دفعہ پھٹ چکا ہے جن میں سے 8 دفعہ لاوا سمندر میں بہتا ہوا ساحل تک جا پہنچا تھا، آخری دفعہ 1984 میں یہاں سے لاوے کا اخراج ہوا جو بہتا ہوا جزیرے میں آبادی کے مرکز ہیلو تک جا پہنچا تھا، اگرچہ ہوائی کی آبادی اتنی زیادہ نہیں ہے اور جدید تکنیکس کی بدولت اب آبادی آتش فشاں سے زیادہ متاثر نہیں ہوتی، مگر ایک متحرک سلسلہ ہونے کے باعث یہ علاقہ مسلسل خطرات کی زد میں رہتا ہے۔

رینیئر

ماؤنٹ رینیئر کا شمار آبشاروں کی رینج میں واقع ایک اہم چوٹی میں ہوتا ہے، جو 14 ہزار 410 فٹ بلند ہے، یہ اس رینج میں سب سے زیادہ خطرناک آتش فشاں ہے، کیونکہ اس کے شدت



سے پھٹنے کے باعث پتھر، راکھ اور چٹانیں دور تک بکھر جاتی ہیں، جو بارش کے پانی یا برف کے پگھلنے کے ساتھ تیزی سے بہتی ہوئی نیچے جاتی ہیں اور مٹی و لینڈ سلائیڈنگ کا سبب بنتی ہیں، اس کے علاوہ لاوا پکنے کے ساتھ چوٹی کا درجۂ حرارت بہت بڑھ جاتا ہے، جو برف کو تیزی سے پگھلاتا ہے۔

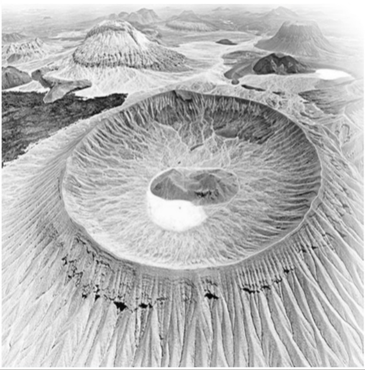
مدینہ منورہ کا آتش فشاں پہاڑ

مدینہ منورہ کے علاقے میں آتش فشاں پہاڑوں کا سب سے بڑا سلسلہ واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے جنوب مشرق میں واقع علاقے میں آخری مرتبہ 1256 عیسوی میں لاوا پھوٹا تھا۔ آتش فشانی سیال مادہ کئی روز تک بہتا رہا تھا اور یہ 23 کلومیٹر تک پھیل گیا تھا۔ آتش فشاں کا لاوا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ کلومیٹر دور تک بہا تھا۔

خیبر کے علاقے میں جبل القدر واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے دو ہزار میٹر بلند پہاڑ ہے اور یہ سب سے بڑا آتش فشانی پہاڑ ہے۔ یہ بہت ہی دشوار گذار ہے اور یہاں پیدل چلنا محال ہوتا ہے۔ جبل القدر میں بہت گہری غاریں اور آتش فشانی دہانے ہیں۔ جو کوئی بھی جبل القدر پر چڑھتا ہے، اس نے وہاں دیکھا ہوگا کہ لاوا پچاس کلومیٹر سے زیادہ علاقے تک پھیلا ہوا ہے۔

جبل القدر کی جوالا مکھی کے نزدیک ہی جبل الابیض کی آتش فشانی کھوہ ہے۔ اس کا عجیب وغریب رنگ اور ہیئت ہے۔ یہ اس علاقے میں مشہور ارضیاتی علامتوں میں سے ایک ہے۔

طائف شہر کے نزدیک بھی سعودی عرب کا سب سے بڑا آتش فشانی دہانہ ہے۔ اس کی گہرائی 240 میٹر اور قطر 2500 میٹر سے زیادہ ہے۔ سعودی عرب میں موجود آتش فشاں پہاڑ اور ان کے دہانے ماہرینِ ارضیات کے لیے تحقیقی دلچسپی کے حامل ہیں۔ مملکت بھر میں دو ہزار سے زیادہ آتش فشاں کے دہانے ہیں۔



ضرب المثل پہ مبنی سو لفظی کہانی

نزہت وسیم



بیٹا

فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف اس کا باپ تھا۔
لرزتی ہوئی شفقت بھری آواز کے ساتھ التجا کی، تمہاری والدہ کی خواہش ہے، آج روزہ اس کے پاس کھولا جائے۔
اچانک اسے یاد آیا آج اس کے بیٹے کا بھی روزہ ہے۔
اس نے اپنے باپ سے معذرت کی، کام کی زیادتی کا بہانہ بناتے اس کے لہجے میں رکھائی در آئی۔
بازار سے سموسے، فروٹ چاٹ اور دہی بھلے خرید کر گھر لوٹا۔
بیٹے پر شفقت بھری نگاہ ڈالی اور محبت سے پوچھا:
''روزہ کیسا گزرا؟''
بیٹے نے گیم سے نگاہ ہٹائے بغیر رکھائی سے کہا:
''ٹھیک''



حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب حفظہ اللہ

ہدایت کے جزیرے

اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے اور ہم اس کے ''بندے'' ہیں...... اللہ تعالیٰ نے ہم پر کچھ چیزیں لازم فرمادی ہیں...... ان چیزوں کے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کو نہیں پاسکتے...... اور نہ کامیاب ہوسکتے ہیں...... ان ''لازمی چیزوں'' میں سب سے زیادہ ضروری چیز ''ایمان'' ہے......

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حج اکبر'' کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جن چار باتوں کا ''اعلان عام'' کروایا...... ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے...... اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد صرف وہی ایمان قابل قبول ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قرآنی طریقے کے مطابق ہو......

مشرکین ہوں یا یہود ونصاریٰ یہ جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی نہیں مانتے...... اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر ایمان نہیں لاتے یہ سب ''کافر'' اور ناکام ہیں...... یہ کسی مولوی کا فتویٰ نہیں قرآن پاک کا واضح فیصلہ ہے...... جو قرآن پاک نے بار بار سنایا ہے...... مولوی نہ تو تنگ نظر ہیں اور نہ غلط فتویٰ بازی کے شوقین...... اور جنت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے...... مولویوں کو کیا ضرورت کہ کسی کو ''کافر'' کہیں یا کسی کو جہنمی...... مگر جب اللہ تعالیٰ خود ایک بات

بیان فرمادے تو پھر مولوی ہو یا غیر مولوی کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس بات کا انکار کرے...... ان تمام باتوں کو سمجھنے کے بعد اب اس اسلام پر غور کریں جو صوفی ازم کے نام سے مسلمانوں کو سکھایا جا رہا ہے...... یہ کیسا اسلام ہے؟...... استغفر اللہ، استغفر اللہ...... مومن اور کافر کا فرق تک ختم کر دیا گیا...... کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے یا نہ مانے وہ ایک برابر...... عجیب وغریب باتیں آج کل اخبارات میں چھپ رہی ہیں......

آج ہی ایک کالم نویس نے حضرت شیخ علی ہجویریؒ اور گرونانک کو ایک برابر قرار دے دیا...... اور دونوں کو ''کامیاب روحانی ہستیاں'' قرار دیا...... حالانکہ گرونانک کا اسلام قبول کرنا ثابت نہیں ہے...... کل ایک اور کالم نویس نے چھوٹی نیکیوں کی ترغیب دیتے ہوئے اسلامی عبادات کی اہمیت کم کرنے کی کوشش کی...... حالانکہ اسلام نے نیکیوں سے کب روکا ہے؟...... اسلام نے تو ''خدمت خلق'' کے وہ احکامات پیش فرمائے ہیں جن کی مثال دنیا کے پاس نہیں ہے...... تو پھر ''خدمت خلق'' کی ترغیب دیتے ہوئے اسلامی عبادات کے خلاف زبان چلانے کی کیا ضرورت ہے؟...... کچھ دن پہلے اس کالم نویس نے ایک عیسائی شرابی کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا شاگرد اور خلیفہ قرار دے دیا......

معلوم نہیں یہ لوگ ان باتوں سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں...... کیا مسلمان نماز چھوڑ کر غریب بچوں میں جوگر بوٹ تقسیم کرتے پھریں؟...... کیا ان کا یہ عمل نماز کے قائم مقام بن سکتا ہے؟...... غریبوں کی خدمت بہت بڑی چیز ہے مگر یہ نماز چھوڑے بغیر ہو تو کامیابی ہے...... اور نماز چھوڑ کر ہو تو غفلت ہے......

ہمارے وہ کالم نویس بھائی جن کی روح کو ''فرانس'' میں جا کر چین ملتا ہے وہ صرف دنیاوی موضوعات پر ہی لکھا کریں تو کتنی بڑی خیر ہو جائے...... ان کو نہ قرآن پاک کا علم ہے نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کا...... ان کو نہ اسلامی تاریخ سے کوئی تعلق ہے اور نہ مسلمانوں کے اجتماعی مسائل سے...... مگر پھر بھی وہ ''اسلامی موضوعات'' پر لکھتے ہیں...... اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں...... ہائے کاش مسلمان ان لوگوں کی گمراہی سے بچ جائیں...... اور ان کے فتنے سے محفوظ رہیں......

آج کل مسلمان ویسے ہی دین سے دور ہیں...... اور یہ کالم نویس ان کو مزید ''بددین'' بنانے پر تلے ہوئے ہیں...... کبھی قربانی کے خلاف مضمون، کبھی جہاد کے خلاف شوشے، کبھی اسلامی عبادات کی تحقیر...... اور کبھی یہ جملہ کہ ''اللہ تعالیٰ مسجد میں نہیں ملتا''...... جی ہاں فائیو اسٹار ہوٹلوں کو آباد کرنے والے مفکرین مسجدوں کو ویران کرنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتے ہیں...... ان میں کچھ لوگوں کے قلم

میں شیطانی تاثیر ہے...... وہ ہر بات کو کہانی اور افسانہ بنا کر دلچسپ کر دیتے ہیں...... اور پھر جو کچھ ان کے دماغ میں آتا ہے اس کو ''دین'' بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں...... اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے ...... اور انہیں اپنی رضا والے کاموں میں جوڑ دے......

آج کتنے مسلمان ہیں جن کو درست قرآن پاک پڑھنا نہیں آتا...... آپ خود سوچیں کیا یہ چھوٹا عیب ہے؟...... جب قرآن پاک ٹھیک نہیں ہوگا تو نماز بھی درست نہیں ہوگی...... آپ خود سوچیں یہ کتنا بڑا اخسارہ ہے......

حقیقت یہ ہے کہ جن مسلمان مردوں اور عورتوں کو درست قرآن پاک پڑھنا نہیں آتا وہ اپنی محرومی پر چیخیں مار کر روتے...... اور رات دن ایک کر کے قرآن پاک پڑھنا سیکھتے...... قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نازل فرمایا ہے...... اگر ہم مسلمان اسے نہیں پڑھیں گے تو اور کون پڑھے گا؟......

یہ کتاب نور ہے اور ہدایت اور اس میں دلوں کی شفاء ہے...... یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم کلام ہے...... کلام اللہ، کتاب اللہ...... اللہ پاک کی باتیں اور ہم ان سے محروم...... علماء نے لکھا ہے کہ جس کو قرآن پاک ٹھیک پڑھنا نہ آتا ہو وہ نفل نمازوں اور اذکار میں وقت لگانے کی بجائے قرآن پاک سیکھے اور اگر اتنی روزی موجود ہو کہ فاقے کی نوبت نہ آتی ہو تو روزی کمانے کا وقت بھی قرآن پاک سیکھنے پر لگائے...... اور کچھ نہیں تو سورۃ فاتحہ اور ایک دو چھوٹی سورتیں تو پوری جان لگا کر ٹھیک کرلے تاکہ نماز تو ادا کر سکے......

میرا خیال ہے کہ ''صوفی ازم'' اور ''معرفت'' کی اونچی اونچی باتیں کرنے والے کالم نویسوں کو سورۃ فاتحہ بھی صحیح تلفظ کے ساتھ نہیں آتی...... ہمارے حکمرانوں اور وزیروں کو وضو کا ٹھیک طریقہ تک نہیں آتا......

اسلام کی روایت تھی کہ جمعہ کا خطبہ اور نمازوں کی امامت مسلمانوں کے حکمران خود کراتے تھے...... بنو امیہ کے زمانے میں جب بعض خلفاء نے بیٹھ کر خطبہ دینا شروع کیا تو اہل دل تڑپ اٹھے کہ اب ''خطبے'' کو زوال آرہا ہے...... اور پھر مامون الرشید کے بعد حکمران اس نعمت سے محروم ہوتے چلے گئے...... اور آج یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کا صدر دو رکعت نماز کی امامت بھی نہیں کرا سکتا...... مگر اس کو فخر ہے کہ وہ بہت بڑا مسلمان ہے...... اور وہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاتا ہے......

دراصل ''صوفی ازم'' کا یہ نیا نعرہ مسلمانوں کو جہاد، قرآن، نماز اور پورے دین سے محروم کرنے کی ایک سازش ہے...... بس قوالی سنو، مزاروں کے چکر کاٹو، قبروں پر چادریں چڑھاؤ، مستقبل کی پیشین گوئیاں کرو...... اور کافروں کو

مسلمانوں کے برابر سمجھو اور ہر طاغوت کے سامنے گردن جھکاؤ...... اور دین کے نام پر دنیا بناؤ...... یہی ہے صوفی ازم...... اور یہی ہے بش کا بنایا ہوا وہ دین جس کو نعوذ باللہ اسلام کا نام دیا جارہا ہے......

یہاں ایک بات اور بھی یاد رکھیں...... اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو طرح طرح کی کرامتیں عطاء فرماتا ہے...... اور کئی بزرگوں کو تھوڑا بہت ''کشف'' بھی ہوتا ہے...... ہم نے الحمدللہ ایسے بعض بزرگوں کی زیارت کی ہے جن کو ''کشف'' ہوتا تھا...... مگر یہ لوگ شریعت کے پورے پابند اور توحید کے مکمل قائل تھے...... اور ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ''ڈاکیا'' ہے...... فارسی زبان میں ''ڈاکیے'' کو ''پیغامبر'' یا ''پیغمبر'' کہتے ہیں...... اور ''پیمبر'' بھی اسی کا ہم معنیٰ ہے...... پیغام لانے والا، پیام لانے والا...... اب اخبارات میں ایسے بزرگوں کا بھی تذکرہ آرہا ہے جو خود کو اللہ تعالیٰ کا ڈاکیا قرار دے رہے ہیں...... اور ''صاحب کشف'' ہونے کے مدّعی ہیں......

اللہ اکبر کبیرا......

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبت تھی...... مگر ان کی پوری زندگی ہجرتوں، مشکلوں اور جہاد میں گزر گئی...... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برملا سمجھایا کہ مجھے غیب کا علم حاصل نہیں ہے...... میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی جن محنتوں اور تکلیفوں میں گزاری ان کا تصور بھی مشکل ہے...... مگر آج کا ''صوفی ازم'' کیا ہے...... صرف آرام، آرائش، آسائش اور دنیا کے ڈھیر......

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی مسجد کو آباد فرمایا جبکہ ان لوگوں کے مراکز یا تو فائیو اسٹار ہوٹل ہیں یا بزرگوں کے مزارات......

مسلمان تھوڑا سا غور کریں تو وہ حقیقت حال کو سمجھ سکتے ہیں...... آج بھی الحمدللہ ''اصل صوفیاء کرام'' موجود ہیں...... مگر وہ تو ایک نماز کی تکبیر اولیٰ قضاء کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے...... اور نہ مالداروں کے دروازوں کے چکر کاٹتے ہیں...... اور نہ خود کو اللہ تعالیٰ کا ''ڈاکیا'' قرار دیتے ہیں...... وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کرتے ہیں...... اور جہاد اور ہجرت کے راستے سے قربانی دینے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں......

اے مسلمان بھائیو...... اور اے مسلمان بہنو! اپنے ایمان کی حفاظت کرو...... ایمان سے بڑی کوئی دولت نہیں ہے...... صبح شام رات دن اس نعمت کا شکر ادا کرو...... اور عقیدے کی خرابی سے بچو اور فکر کی گمراہی سے دور رہو...... اسلام وہی ہے...... جو قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے...... اور جس کی قولی اور عملی تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمائی ہے...... اور جس کو امت کے فقہاء کرام نے مرتب فرمایا ہے...... نیکی وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نیکی قرار دے ورنہ تو ایک طوائف بھی اپنے کام کو ''خدمت خلق'' قرار دے سکتی ہے...... اور گناہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ قرار دیا ہے......

وحی کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور آسمان سے اب کسی پر کچھ نازل نہیں ہوتا...... اپنا عقیدہ ٹھیک رکھو...... اپنی فکر کو درست رکھو...... اسلامی فرائض کو ٹھیک ٹھیک مانو...... اور جہاد کا ہرگز انکار نہ کرو......

اے مسلمانو!...... اللہ پاک کے گھر ''مسجدوں'' کو خوب آباد کرو...... وہاں جا کر دنیا کی باتیں اور شور شرابا نہ کرو...... اور وہاں اپنی آواز بلا وجہ بلند نہ کرو...... مساجد جنت کے باغات ہیں وہاں جا کر سکون حاصل کیا کرو...... اے مسلمانو! قرآن پاک پڑھنا سیکھو اور اپنی عورتوں کو بھی سکھاؤ...... اور قرآن پاک کو علماء کرام کی نگرانی میں سمجھنے کی پوری محنت کرو...... اے مسلمانو! عمل کی کوتاہی توبہ سے معاف ہو جاتی ہے...... مگر عقیدے اور فکر کی کوتاہی انسان کو توبہ تک نہیں کرنے دیتی...... ایک شخص گناہگار ہے اور وہ توبہ کرتا ہے...... یہ اس شخص سے بہت افضل ہے جو غریب بچوں میں جو گر بوٹ تقسیم کرنے کو فرض نماز سے بہتر سمجھتا ہے...... یہ شخص توبہ نہیں کرے گا بلکہ اپنے جرم پر فخر کرے گا...... اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا......

مسلمانوں کو چاہئے کہ عام اخبارات کے کالم نویسوں کے مضامین پڑھنے کی بجائے...... یہی وقت اپنی آخرت کے لئے کچھ سامان کرلیا کریں...... مسجد میں جا کر تین آیتیں پڑھنا دنیا کی تمام فانی نعمتوں سے بڑھ کر ہے...... اور دین کا علم حاصل کرنا افضل ترین اعمال میں سے ایک مقبول عمل ہے...... آپ اپنی استطاعت کے مطابق چند کتابیں خرید کر اپنے گھر رکھ لیں...... اور جو وقت اخبارات کے کالم پڑھنے میں لگاتے ہیں وہ وقت ان کتابوں کے مطالعے کے لئے وقف کر دیں......

یاد رکھیں اللہ پاک کی رضاء کے لئے چند منٹ دین کا علم حاصل کرنا ہمیں ابدال آباد کی نعمتوں کا مستحق بنا سکتا ہے...... جی ہاں ہمیشہ کی نعمتیں...... نہ ختم ہونے والی نعمتیں...... آپ مفتی کفایت اللہؒ کی ''تعلیم الاسلام'' خرید لیں...... اور مفتی عبدالشکور لکھنویؒ کی علم الفقہ...... انشاء اللہ عقیدہ ٹھیک ہو جائے گا اور پاکی، پلیدی اور وضو، نماز کے مسائل معلوم ہو جائیں گے...... آپ یقین کریں اتنا علم بھی بہت بڑی نعمت ہے...... اور یاد رکھیں کہ ہم اچھے مسلمان اور اچھے نمازی بنے بغیر کبھی بھی ''اچھے انسان'' نہیں بن سکتے......

یہ لوگ جو غریبوں کا رونا رو کر دوسروں کو

''قربانی'' نہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں خود یہی لوگ روزانہ اپنے دسترخوان پر ایک ''قربانی'' کی قیمت کا کھانا لگاتے ہیں...... ان کو غریبوں کا درد ہوتا تو یہ خدمت کا آغاز اپنی ذات سے کرتے...... مگر ان کی تو شادیوں پر لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں اور اس میں ان کو نہ کوئی غریب یاد آتا ہے نہ فقیر...... میں کسی پر ذاتی تنقید نہیں کر رہا...... ہم سب اصلاح اور توبہ کے محتاج ہیں...... اور ہم ہر مسلمان کو اپنے سے افضل اور اچھا سمجھتے ہیں...... مگر اللہ پاک کے دین میں ''کمی بیشی'' ہم سے برداشت نہیں ہوتی...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا......

أینقص الدین وانا حی ...... دین میں کمی کی جائے اور میں زندہ ہوں یہ ممکن نہیں ہے...... اسی طرح آپ حضرت تھانویؒ کی کتاب بہشتی زیور لے لیں...... یا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد کی مسائل بہشتی زیور...... انشاء اللہ ہر صفحہ آپ کو دین کے قریب کرے گا...... اور پھر حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ کی حیات الصحابہ لے لیں...... اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم...... اللہ اکبر کبیرا...... دونوں کتابیں ماشاء اللہ ایمان افروزی کا خزانہ ہیں......

روزانہ چند صفحات پڑھ لیں تو دل کی سیاہی اترتی محسوس ہوتی ہے...... اور آپ حضرت تھانویؒ کی مناجات مقبول لے لیں...... اور حضرت پھولپوریؒ کی ''معرفت الٰہیہ''...... آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل تصوف اور اصل روحانیت کیا ہے...... اور آپ حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی آپ بیتی لے لیجئے...... زندگی گزارنے کا ڈھنگ آ جائے گا......

میرے شیخؒ فرماتے تھے کہ اس کتاب کو پڑھنے والا آدھا ولی تو بن ہی جاتا ہے...... اور آپ حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی فضائل اعمال لے لیجئے...... سبحان اللہ زندگی کو منور کرنے والی کتاب فضائل اعمال...... اور آپ حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کا وعظ ''ترک منکرات'' لے لیجئے انشاء اللہ بہت کچھ سمجھ آ جائے گا...... اور آپ اگر پورے دین کو مختصر الفاظ میں سمجھ کر اپنی زندگی اللہ پاک کی رضا کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں تو ایک چھوٹی سی کتاب لے لیجئے...... اس کتاب کا نام ہے ''دستور حیات'' اور اس کے مصنف ہیں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ...... آپ اس کتاب کو پڑھ کر ایک عجیب نورانی علم پائیں گے اور ایک عجیب قسم کا سکون آپ کو نصیب ہوگا......

اور آپ مولانا محمد میاں صاحبؒ کی کتاب ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' خرید لیں...... آپ کو ایک نئی دنیا سے تعارف نصیب ہوگا اور آپ کو برصغیر کے حالات سمجھنے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کو سمجھنے میں خاص مدد ملے گی...... اور آپ تفسیر عثمانی لے لیں...... اور مولانا عاشق الٰہی

صاحبؒ کی تفسیر انوار البیان...... ان دونوں تفسیروں کی مدد سے آپ قرآن پاک کو انشاء اللہ آسانی سے سمجھ لیں گے......

اور مزید مدد کے لئے حضرت اقدس لاہوریؒ کا ترجمہ اور حاشیہ اپنے ساتھ رکھ لیں...... اور آپ مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی معارف الحدیث لے لیں...... اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کی ترجمان السنہ...... آپ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو سمجھنے میں مدد ملے گی...... اور آپ امام غزالیؒ کی کتاب منہاج العابدین...... اور کیمیائے سعادت لے لیں آپ کو نفس کی اصلاح کے اور دینی و روحانی ترقی کے راز معلوم ہو جائیں گے......

کتابوں کے ناموں کی فہرست تو بہت طویل ہے...... آپ ایسا کریں کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی کتابوں کا مکمل سیٹ خرید لیں...... اور ایک طویل عرصہ تک علم، عمل، اخلاص اور دینی معلومات کے سمندر میں مزے کے غوطے لگائیں......

آپ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتابوں کا پورا سیٹ لے لیں اور دین و دنیا کے مزے لوٹیں...... آپ حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کے مواعظ لے لیں اور اپنے تقوے کو مضبوط سے مضبوط تر بنا لیں......

اور آپ حضرت مولانا سرفراز صاحب صفدر دامت برکاتہم کی کتابیں لے لیں اور اپنے عقیدے کو پورے اعتماد سے درست کر لیں......

الحمد للہ اہل علم حضرات نے ہم مسلمانوں کے لئے شبانہ روز دماغ سوز محنت کر کے دین کے مفاہیم کو بے حد آسان تحریر فرما دیا ہے...... ہمیں چاہیئے کہ ہم ان محنتوں سے فائدہ اٹھائیں...... لاہور کے مکتبہ عرفان...... اور کراچی کے مکتبہ حسن کی کتابیں ہمارے لئے بہترین رہنما ہیں...... جو ہمیں ایمان والی زندگی اور کامیاب خاتمے کا طریقہ بتاتی ہیں......

گمراہی کے سمندر میں نور اور ہدایت کے جزیرے ہمیں اپنی طرف بلا رہے ہیں...... وقت تیزی سے گزر رہا ہے ہمیں جلد از جلد خود کو آخرت کے لئے تیار کرنا چاہیئے...... اللہ پاک میری بھی مدد فرمائے اور آپ سب کی بھی......

آمین یا ارحم الراحمین......

☆......☆......☆





607 ہجری کا وہ دن بھی یادگار ہے جس دن اہل شام اپنے خون سے اپنی تاریخ لکھ رہے تھے۔اس روز جنگ صلیب و ہلال زوروں پر تھی۔ صلیبی افواج اسلحہ سے لیس ہوکر ارض فلسطین پر آفت کی طرح وارد ہوئیں اور طاعون کی طرح شہروں میں پھیل گئی تھیں۔

صلیبی فوج تہذیب وتمدن کو غارت کرتی ہوئی ملک کے باشندوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہی تھی۔ اہل فلسطین ان کا مقابلہ تو کرتے لیکن ایک ایک کر کے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیئے جاتے۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دیار فلسطین نوجوانوں سے خالی ہو جائیں گے اور بوڑھے، بچے، عورتیں یا بزدل مالدار باقی رہ جائیں گے۔ جنھیں جہاد فی سبیل اللہ میں کوئی رغبت نہیں۔

میدان جنگ میں برسرپیکار لوگوں میں ایک جرات مند خاتون میسون کے چار بھائی بھی شامل تھے۔ یہ غیرت مند خاتون اپنے گھر میں بیٹھی اپنے وطن اور بھائیوں کے بارے میں غوروفکر کر رہی تھی کہ وہ اپنے وطن عزیز کے لیے کیا کرے؟ جسے بیرونی دشمنوں اور اندرونی غداروں نے خطرے میں ڈال رکھا تھا۔



دانیال حسن چغتائی

وہ صبح و شام ان لوگوں پر کڑھتی رہتی جو دنیاوی دولت کی محبت میں اپنی تجارتوں، ملازمتوں اور دیگر پیشوں میں اندھے ہو چکے تھے۔

عزت اور سرخروئی کی زندگی کی بجائے ذلت کی غلامانہ زندگی پر

رنجھے ہوئے تھے اور اس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ وہ ان شیر دل جواں مردوں کی اولادیں ہیں جنھوں نے ارض فلسطین میں شجاعتوں اور بسالتوں کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ وہ ان مردوں کے دلوں میں شجاعت و بسالت کی روح پھونکنے کے لیے شب و روز سوچتی رہتی جو یقین کئے بیٹھے تھے کہ اب ان پر اللہ کی تقدیر نافذ ہے اور جہانبانی و حکمرانی کفار کا حق بن چکی ہے۔ لہٰذا جدو جہد اور سعی و عمل بیکار ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے عروج کے دن کبھی واپس نہیں آسکتے۔

وہ لوگوں کو خواب خرگوش سے بیدار کر کے انہیں باور کرانا چاہتی تھی کہ زندگی کسی خالی پیٹ کا نام نہیں، جسے بھرا جائے اور نہ ایسی خواہش کا نام ہے جسے پورا کیا جائے۔ بلکہ زندگی تو عزت و شرف اور سربلندی و کامرانی کا نام ہے اور زندگی تو یہ ہے کہ انسان اپنے دین و ایمان اور وطن کے لیے لڑ جائے اور مسلمان یہ سوچ لے کہ جب تک فلسطین میں کوئی بھی عیسائی و یہودی ہے تب تک مسلم نوجوان پر اپنی جوانی سے اور مالدار پر اپنی دولت سے یا نرم و گرم بستر پر نیند سے لطف اندوز ہونا حرام ہے۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ کسی نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور خلاف واقعہ اطلاع دی کہ تیرے چاروں بھائی میدان جنگ میں کام آ گئے۔ یہ اندوہناک خبر میسون پر بجلی بن کر گری اور قریب تھا کہ وہ حواس کھو بیٹھتی لیکن اس کے دل میں ایمان و یقین کی چنگاری بھڑک اٹھی، جس نے اسے شیرنی کی طرح انتقام لینے کے لیے گرما دیا۔ پہلے تو وطن عزیز کی فکر تھی اور اب اس جذبے میں بھائیوں کا انتقام بھی شامل ہوگیا۔ ان جذبوں نے اس کے اعصاب میں بارود بھر دیا تا کہ وہ کڑکنے والے بادلوں کی طرح سوئے ہوؤں کو جگا دے یا انہیں ہمیشہ کی نیند سلا دے۔

میسون نے محسوس کر لیا کہ اس کے اعضاء میں ایسی قوت ہے جو پورے دمشق کو ہلا دے اور گلے میں ایسی آواز ہے جو مردوں کو جگا دے۔ دل میں وہ عزم ہے جو لشکروں کو لڑا دے اور قلعوں کو گرا دے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ایمان کسی عورت کے دل میں پیدا ہو جائے تو وہ ایسے بہادر جوان پیدا کرتی ہے جو کبھی شکست نہیں کھاتے۔

اس نے میدان عمل کی تلاش میں چاروں طرف نظریں گھمائیں لیکن اسے کوئی عزیز یا رشتہ دار نظر نہ آیا جو اس کا ساتھ دے چنانچہ اس نے آسمان کی طرف نظریں دوڑائیں تو اسے معلوم ہوا کہ تائید الٰہی نے اسے ایک کارنامے کے لیے منتخب کر لیا ہے جو ہمیشہ یادگار رہے گا، جس سے مردوں کو پتہ چل جائے گا کہ مردانگی اور شجاعت کیا ہے؟ سب کچھ محسوس ہونے کے باوجود اسے سمجھ میں نہ آتا کہ عملاً کیا کرے۔

اسی سوچ و بچار میں وہ اپنے سر کے بالوں

پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ وہ چاہتی تو انہی ریشمی بالوں سے لوگوں کے دین و ایمان خطرے میں ڈال دیتی لیکن اس غیرت مند خاتون نے کوئی اور ہی کارنامہ انجام دینا تھا۔

اسی دوران اسے اندھیرے میں کوندنے والی بجلی کی طرح امید کی کرن نظر آئی کہ یہی بال اس کا ہتھیار ہیں جن کے ذریعے وہ لشکروں کو میدان جنگ میں اتار سکتی ہے اور مولوں کو شہبازوں سے لڑا سکتی ہے۔

وہ اپنی پڑوسنوں کے پاس گئی اور ان سے اپنے بھائیوں کا تذکرہ کرنے لگی۔ انہوں نے سمجھا کہ غم ہلکا کرنے کے لیے آئی ہے لیکن اس نے ایثار و قربانی اور سرفروشی کی ایسی داستان چھیڑی کہ وہ سب کی سب بے خود ہو گئیں اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار ہو گئیں۔

اس خاتون نے کہا، ہم مرد تو نہیں جو لشکروں کی قیادت کریں اور تلوار چلائیں لیکن جب مرد بزدل ہو جائیں تو ہم میدان عمل میں اتر سکتی ہیں۔

بہنو! میرے یہ بال میری قیمتی متاع ہیں۔ میں انہیں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے والے گھوڑوں کی رسیوں اور لگاموں کے لیے پیش کرتی ہوں تاکہ ان کے ذریعے مردوں (جہاد سے جی چرانے والے انسانوں) کو جگا سکوں۔

یہ کہہ کر اس نے سر کے بال کاٹ لیے۔ اس کی سہیلیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ان سے خونریز معرکوں میں حصہ لینے والے گھوڑوں کی لگامیں اور رسیاں بنائیں اور جامع مسجد اموی کے خطیب سبط ابن جوزی کے پاس بھیج دیں۔ وہ انہیں جمعہ المبارک کے روز اپنے ساتھ مسجد میں لے گیا۔ وہ مارے غیرت و حمیت کے وہ کانپ رہا تھا اور اپنی نشست پر ٹھہر نہیں سکتا تھا اور منبر پر چڑھنے کے انتظار میں اس کا پیمانہ صبر لبریز ہو رہا تھا۔ چند لمحوں بعد اذان شروع ہوئی اور وہ فورا منبر پر آ کر بیٹھ گیا۔ لگامیں اور رسیاں اس کے سامنے تھیں۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک رہے تھے۔

لوگ ایک دوسرے کی طرف حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ جونہی اذان ختم ہوئی وہ کھڑا ہوا اور خطبہ دینے لگا۔ اس کا خطبہ درحقیقت وہ آگ تھی جس سے پتھر موم ہو گئے اور جگر پاش پاش ہو گئے۔ ان جادو اثر کلمات کے متعلق خطیب کو خود معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ اس کی زبان پر کہاں سے آ رہے ہیں کیونکہ اس کے دل نے یہ الفاظ عالم یقین سے اخذ کئے اور اس کی زبان پر ڈال دیے۔ کوئی آدمی انہیں روایت کرنے کی سکت نہیں رکھتا تھا کیونکہ یہ روح کا روحوں سے خطاب تھا۔

یہ خطاب ایسی بلیغ کرامت بن گئی جو ہر زمانے میں کسی محدث کی زبان اور ادیب حق گو کے قلم پر ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے خلاف عادت خطبے کو ایسی روح عطا کرتا ہے جو روحوں کو

پہنچتی ہے اور ایسا ہاتھ بنا دیتا ہے جو اعصاب کو کھینچ لیتا ہے۔

چنانچہ لوگوں نے اس جادو اثر خطبے کے الفاظ اپنے طور پر یوں بیان کئے ہیں:

"اے وہ قوم! جسے اس کے مذہب نے جہاد کا حکم دیا تو اس نے پوری دنیا فتح کر ڈالی اور بندوں کو صراط مستقیم پر چلا دیا۔

اب وہ بزدلوں کی طرح گھروں میں دبک کر بیٹھ گئی ہے تبھی تو دشمنوں نے اس کے ملک ہتھیا لیے اور انہیں دین اسلام سے برگشتہ کر دیا۔

اے قوم! جس کے اسلاف نے سچائی اپنا کر دنیا پر عدل و انصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ اب وہ باطل سے دبک کر اپنے ہی ملکوں اور وطنوں میں محکوم ہو گئی ہے۔

لوگو! تم اپنے عروج اور شاندار ماضی کو کیوں بھول گئے؟ تم نے عزت و وقار کا راستہ کیوں ترک کر دیا۔ تم اللہ کی راہ میں جہاد سے ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی۔

تم نے کس بنا پر سمجھ لیا کہ آج کے بعد عزت و وقار مشرکوں کے لیے ہے حالانکہ رب العزت نے فرمایا ہے:

"عزت اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول کی اور مومنوں کی ہے مگر منافق نہیں جانتے۔" (المنافقون:۸)

لوگو! کس قدر ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ اللہ کے دشمن اور تمھارے دشمن تمھارے سامنے اس زمین پر حکمرانی کر رہے ہوں جس کی آبیاری تمھارے آباواجداد نے اپنے خون سے کی تھی۔

کیا یہ اندوہناک منظر تمھارے دلوں میں غم پیدا نہیں کرتا کہ کفار نے تمہیں اسی زمین پر غلام بنا لیا، جس پر تم نے حکمرانی کرنی تھی۔

مسلمانو! تم تو دنیا کے سردار تھے۔ کیا تمھارے اندر غیرت ختم ہو گئی؟ تمھاری حمیت ایمان گم ہو گئی کہ دشمنوں نے تمھارے بھائیوں کو گھیر رکھا ہے اور وہ انہیں نت نئے عذاب میں مبتلا کر رہے ہیں۔

اے لوگو! کیا پورے ملک میں کوئی مسلمان نہیں رہ گیا؟ کیا پورے ملک سے عربی ختم ہو گئے؟ کیا پورے ملک میں کوئی انسان نہیں رہا؟ مسلمان، مسلمان کی مدد کرتا ہے۔ عربی، عربی کی مدد کرتا ہے۔ انسان، انسان کی مدد کرتا ہے۔

جو کوئی فلسطینیوں کی مدد کے لیے نہ اٹھے، وہ نہ مسلمان ہے نہ عرب اور نہ انسان۔ تم یہاں کھانے پینے میں مشغول ہو اور ناز و نعمت کے مزے اڑا رہے ہو جبکہ تمھارے بھائی جنگ کے شعلوں میں گھس کر آگ کے انگاروں پر لوٹ رہے ہیں۔

اے مسلمانو! گھمسان کا رن پڑا ہے۔ جہاد کا منادی آواز دے رہا ہے۔ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اگر تم میدان کے مرد نہیں ہو تو راستہ چھوڑ دو۔ عورتوں کو جنگ کرنے دو

اور تم جا کر چوڑیاں پہن لو!

اے پگڑیوں اور داڑھیوں والی عورتو! اگر ایسا نہیں ہے تو آؤ گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ یہ ان گھوڑوں کی رسیاں اور لگامیں ہیں۔ او بے حس مسلمانو! جانتے ہو کہ یہ رسیاں اور لگامیں کس چیز سے بنی ہیں؟ یہ ان عورتوں کے ریشم و حریر جیسے بالوں سے بنی ہیں جنھیں شرم و حیا کی وجہ سے سورج کی آنکھ نے نہ دیکھا۔

واللہ! ان کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہیں جس کے ذریعے وہ فلسطینیوں کی مدد کریں۔

انہوں نے یہ بال محض اس لیے کاٹ ڈالے کہ رسم محبت ختم ہو گئی اور جہاد مقدس شروع ہو چکا ہے۔ اللہ کے دین کے غلبے کے لیے وطن اور عزت کے استحکام کے لیے اگر تم ریشم جیسے بالوں کی بنی ہوئی رسیوں اور لگاموں کو لے کر گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے تو انہیں اپنی مانگیں بنا لو! یہ عورتوں کے سروں کے بال ہیں۔ کیا تمھارے اندر شعور کا قحط پڑ گیا ہے؟"

یہ کہہ کر اس نے وہ بال منبر سے لوگوں کے سروں پر پھینک دیئے اور چلا کر کہا:

"اے قبتہ النسر پھٹ جا! مسجد کے ستونو! گر پڑو! اے رجوم تو ٹوٹ جا کیونکہ مردوں کی مردانگی ختم ہو گئی؟"

یہ سنتے ہی سامعین کی چیخیں نکل گئیں اور وہ موت کی طلب میں بے تابانہ اٹھے۔

اس خطبہ سے مردہ دلوں میں روح دوڑنے لگی۔ وہ حمیت اور غیرت ایمانی سے تڑپ اٹھے۔ ان کی رگوں میں آباؤ اجداد کی روائتی شجاعت و بسالت لوٹ آئی۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے میدان میں اترے اور انہوں نے شیروں کی طرح حملہ کر کے دشمنوں کو دبوچ کر ایک ہی شہر میں محصور کر دیا اور اتنا سخت محاصرہ کیا کہ انہیں ہلاکت نظر آنے لگی۔

اس طرح غیرت و حمیت والی ایک حوصلہ مند خاتون کے ذریعے فتح ہو گئی۔

دنیا مان گئی کہ محمد رسول اللہ کے غلام سو تو جاتے ہیں لیکن موت کی نیند نہیں۔ دشمنان اسلام کسی مسلمان ملک پر چند سال حکومت تو کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کا دین و ایمان سلب نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں ہمیشہ کے لیے غلام بنا سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

ایسے دوست سے بچو!

امام شافعیؒ کہتے ہیں:

"اپنے اُس دوست سے بچ جو تجھ میں ایسی خوبیاں بیان کرتا ہے جو تجھ میں نہیں ہے کیونکہ تعلق بگڑنے پر وہ تیری ایسی بُرائیاں بھی بیان کریگا جو تجھ میں نہیں ہے۔"

امامہ بنت عبداللہ

عید الفطر.... انعامِ الٰہی کا دن



محمد مسعود

یومِ عید، ماہِ صیام کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ سے انعامات پانے کا دن ہے، تو اس سے زیادہ خوشی و مسرّت کا موقع کیا ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ میں اِس دن کو ایک خاص مقام اور اہمیت حاصل ہے۔

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ’’عید‘‘ کا لفظ ’’عود‘‘ سے مشتق ہے، جس کے معنیٰ ’’لوٹنا‘‘ کے ہیں، یعنی عید ہر سال لَوٹتی ہے، اس کے لَوٹ کے آنے کی خواہش کی جاتی ہے اور ’’فطر‘‘ کے معنیٰ ’’روزہ توڑنے یا ختم کرنے‘‘ کے ہیں۔ چوں کہ عید الفطر کے روز، روزوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اس روز اللہ تعالیٰ بندوں کو عباداتِ رمضان کا ثواب عطا فرماتے ہیں، تو اِسی مناسبت سے اسے ’’عید الفطر‘‘ قرار دیا گیا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اہلِ مدینہ دو دن بطورِ تہوار مناتے اور اُن میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسولِ کریم ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا۔

’’یہ دو دن، جو تم مناتے ہو، ان کی حقیقت اور حیثیت کیا ہے؟‘‘

تو اُنھوں نے کہا۔

’’ہم عہدِ جاہلیت میں (یعنی اسلام سے پہلے) یہ تہوار اِسی طرح منایا کرتے تھے۔‘‘ یہ سُن کر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں تہواروں کے بدلے میں ان سے بہتر دو دن مقرّر فرما دیے ہیں، یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔‘‘

نبی کریم ﷺ نے عیدین کے موقعے پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے خوشیاں منانے کی اجازت دینے کے ساتھ، دوسروں کو بھی ان خوشیوں میں شامل کرنے کی ترغیب دی۔ نیز ان مواقع پر عبادات کی بھی تاکید فرمائی کہ بندۂ مومن کسی بھی حال میں اپنے ربّ کو نہیں بھولتا۔ احادیثِ مبارکہ میں شبِ عید اور یومِ عید کی بہت فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے، تو اُسے آسمانوں پر’’ لیلۃ الجائزہ‘‘ یعنی’’ انعام کی رات‘‘ کے عنوان سے پکارا جاتا ہے اور جب صبحِ عید طلوع ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ جل شانہ فرشتوں کو تمام بستیوں میں بھیجتا ہے اور وہ راستوں کے کونوں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایسی آواز سے، جسے جنّات اور انسانوں کے سِوا ہر مخلوق سُنتی ہے، پکارتے ہیں کہ’’ اے اُمّتِ محمّدیہ ﷺ اس کریم ربّ کی بارگاہِ کرم میں چلو، جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے۔‘‘

جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں، تو اللہ ربّ العزّت فرشتوں سے فرماتا ہے۔

’’اُس مزدور کا کیا بدلہ ہے، جو اپنا کام پورا کرچُکا ہو؟‘‘

وہ عرض کرتے ہیں، اے ہمارے معبود! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اُس کی مزدوری اور اُجرت پوری پوری عطا کردی جائے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’اے فرشتو! تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ مَیں نے اُنہیں رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا فرمادی‘‘ اور پھر بندوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ’’ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزّت و جلال اور بلندی کی قسم! آج کے دن آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے، عطا کروں گا۔ دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے، اُس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میرے عزّو جلال کی قسم! مَیں تمہیں مجرموں اور کافروں کے سامنے رُسوا نہ کروں گا۔ مَیں تم سے راضی ہوگیا۔‘‘ (الترغیب والترہیب)

کس کی عید......؟؟

بلاشبہ وہ افراد نہایت خوش قسمت ہیں کہ جنھوں نے ماہِ صیام پایا اور اپنے اوقات کو عبادات سے منور رکھا۔ پورے ماہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھی اور بارگاہِ ربّ العزّت میں مغفرت کے لیے دامن پھیلائے رکھا۔ یہ عید ایسے ہی خوش بخت افراد کے لیے ہے اور اب اُنہیں مزدوری ملنے کا وقت ہے۔ تاہم، صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین اپنی عبادات پر اِترانے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دُعائیں کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ’’ عید اُن کی نہیں، جنھوں نے عمدہ لباس سے اپنے آپ کو آراستہ کیا، بلکہ عید تو اُن کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ گئے اور اُس کے عذاب و عتاب سے ڈر گئے۔

عید اُن کی نہیں، جنھوں نے بہت زیادہ خوشیاں منائیں، بلکہ عید تو اُن کی ہے، جنھوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اُس پر قائم رہے۔

عید اُن کی نہیں، جنھوں نے بڑی بڑی دیگیں چڑھائیں اور دستر خوان آراستہ کیے، بلکہ عید تو اُن کی ہے، جنھوں نے نیک بننے کی کوشش

کی اور سعادت حاصل کی۔

عید اُن کی نہیں، جو دنیاوی زیب و زینت اور آرایش و زیبایش کے ساتھ گھر سے نکلے، بلکہ عید تو اُن کی ہے، جنھوں نے تقویٰ، پرہیز گاری اور خوفِ خدا اختیار کیا۔

عید اُن کی نہیں، جنھوں نے اپنے گھروں میں چراغاں کیا، بلکہ عید تو اُن کی ہے، جو دوزخ کے پُل سے گزر گئے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عید کی مبارک باد دینے کے لیے آنے والوں سے فرمایا:

''عید تو اُن کی ہے، جو عذابِ آخرت اور مرنے کے بعد کی سزا سے نجات پا چکے ہیں۔''

اِسی طرح ایک دفعہ حضرت عُمرؓ بن خطاب کے دَورِ خلافت میں لوگ عید کے روز آپؓ کے پاس آئے، تو دیکھا کہ وہ گھر کا دروازہ بند کیے زارو قطار رو رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا۔

''امیر المومنین! آج تو عید کا دن ہے اور آپؓ رو رہے ہیں؟''

حضرت عُمرؓ نے جواب دیا:

''لوگو! یہ دن عید کا بھی ہے اور وعید کا بھی۔ آج جس کے نماز، روزے اور دیگر عبادات قبول ہوگئیں، بلاشبہ اُس کی آج عید ہے اور جس کی عبادات قبول نہیں ہوئیں، اُس کے لیے وعید کا دن۔ مَیں اِس خوف سے رو رہا ہوں کہ نہیں معلوم میری عبادات قبول ہوئیں یا اُنہیں رَد کر دیا گیا۔''

چاند رات

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں ''چاند رات'' کو ایک لحاظ سے شرعی پابندیوں سے فرار کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، حالاں کہ چاند رات کو حدیث شریف میں ''لیلۃ الجائزہ'' یعنی ''انعام والی رات'' کہا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''رمضان المبارک کی آخری رات میں اُمّتِ محمّد ﷺ کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ شبِ قدر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں۔ کام کرنے والے کو مزدوری اُس وقت دی جاتی ہے، جب وہ کام پورا کر لیتا ہے اور وہ آخری شب میں پورا ہوتا ہے، لہٰذا بخشش ہو جاتی ہے۔'' (مسند احمد)

جو لوگ پورے ماہِ مقدّس میں تقویٰ و پرہیز گاری کی راہ پر کاربند رہے، اُن میں سے بھی بہت سے اس رات لہو ولعب میں مشغول ہو کر اپنی ساری محنت اکارت کر بیٹھتے ہیں۔

دراصل، شیطان آزاد ہوتے ہی خلقِ خدا کو تقویٰ و پرہیز گاری کے راستے سے ہٹا کر فسق و فجور کی طرف مائل کرنے کی کوششوں میں لگ جاتا ہے اور بدقسمتی سے بہت سے لوگ اُس کے پُرفریب جال میں پھنس جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''جب یومِ عید آتا ہے، تو شیطان چلاّ چلاّ کر روتا ہے، اُس کی ناکامی اور رونا دیکھ کر تمام شیاطین اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ'' تجھے کس چیز نے غم ناک اور اُداس کر دیا؟'' شیطان کہتا ہے کہ ''ہائے افسوس! اللہ تعالیٰ نے آج کے دن اُمّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش فرمادی ہے، لٰہذا تم اُنہیں پھر سے لذّتوں اور خواہشاتِ نفسانی میں مشغول کر دو۔''

ہم چاند رات بازاروں اور غل غپاڑے میں گزار دیتے ہیں، جب کہ احادیثِ مبارکہ میں اس رات میں عبادت کی تاکید کی گئی ہے۔حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص عید الفطر اور عید الاضحی کی راتوں میں عبادت کی نیّت سے قیام کرتا ہے، اُس کا دِل اُس دن بھی فوت نہیں ہو گا جس دن تمام دِل فوت ہو جائیں گے۔'' (ابن ماجہ)

مولانا محمّد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دِل کے مردہ ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ فتنہ وفساد کے وقت جب لوگوں کے قلوب پر مردنی چھاتی ہے، اِس کا دِل زندہ رہے گا (اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ) ممکن ہے کہ صور پھونکے جانے کا دن (اِس سے) مراد ہو کہ اِس کی رُوح بے ہوش نہ ہو گی۔'' (فضائل رمضان)

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص پانچ راتیں عبادت کرے، اُس کے لیے جنّت واجب ہو جاتی ہے۔وہ راتیں یہ ہیں، ذوالحجہ کی 8,9,10 ویں رات، شبِ برات، اور عید الفطر کی رات۔'' (الترغیب والترہیب)

لٰہذا، ہمیں چاہیے کہ اس رات بے مقصد گھومنے پھرنے اور گناہ کے کاموں میں گزارنے کی بجائے نوافل، نمازِ تہجّد، تلاوتِ قرآن اور دیگر عبادات میں مشغول رہیں تاکہ اس کی برکات حاصل کر سکیں۔

غریبوں کی مدد

عید کے اس پُرمسرّت موقعے پر ہمارا ایک کام یہ بھی ہونا چاہیے کہ آس پڑوس اور رشتے داروں پر نظر دوڑائیں کہ کہیں اُن میں سے کوئی ایسا تو نہیں، جو اپنی غربت اور تنگ دستی کے سبب عید کی خوشیوں میں شامل ہونے سے محروم ہے۔ اگر ایسا ہے، تو یقین جانیے، ہم خواہ کتنے ہی اچھے کپڑے پہن لیں، طویل دسترخوان سجا لیں، عیدیاں بانٹتے پھریں، ہماری عید پھر بھی پھیکی ہی رہے گی، بلکہ ایسی عید، عید کہلانے کے قابل ہی نہیں، جس میں دیگر افراد شامل نہ ہوں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو زمانۂ خلافت میں لوگ عید کی مبارک باد دینے گئے، تو دیکھا کہ امیر المومنین خشک روٹی کے ٹکڑے تناول فرما رہے ہیں۔کسی نے کہا، ''آج تو عید کا دن ہے؟'' یہ

سُن کر آپ رضی اللہ عنہا نے ایک سرد آہ بھری اور فرمایا:
''جب دنیا میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہوں، جنھیں یہ ٹکڑے بھی میّسر نہیں، تو ہمیں عید منانے کا حق کیوں کر حاصل ہے؟''

روایت ہے کہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نمازِ عید سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر ایک بچّے پر پڑی، جو میدان کے ایک کونے میں بیٹھا رو رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس کے پاس تشریف لے گئے اور پیار سے اُس کے سَر پر دستِ شفقت رکھا، پھر پوچھا ''کیوں رو رہے ہو؟'' بچّے نے کہا ''میرا باپ مر چُکا ہے، ماں نے دوسری شادی کر لی ہے، سوتیلے باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے، میرے پاس کھانے کو کوئی چیز ہے، نہ پہننے کو کپڑا۔'' یتیموں کے ملجا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا کہ ''اگر میں تمھارا باپ، عائشہ رضی اللہ عنہا تمھاری ماں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا تمھاری بہن ہو، تو خوش ہو جاؤ گے؟'' کہنے لگا ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس پر مَیں کیسے راضی نہیں ہو سکتا۔'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بچّے کو گھر لے گئے۔

صدقۂ فطر

صدقۂ فطر ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر واجب ہے، اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صدقۂ فطر واجب کیا تاکہ روزہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاک ہو جائے اور مساکین کے لیے کھانے کا بندوبست بھی ہو جائے۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر صدقۂ فطر کا فلسفہ یہی ہے کہ عید الفطر کی خوشیوں میں غریب مسلمان بھی بھرپور طریقے سے شریک ہو سکیں۔ اسی طرح ایک اور حدیث شریف ہے کہ ''عید الفطر کے دن محتاجوں کو خوش حال بنا دو!'' گو کہ صدقۂ فطر کبھی بھی دیا جا سکتا ہے، تاہم عام طور پر ماہِ رمضان کے آخری دنوں میں ادا کیا جاتا ہے، جب کہ بہت سے لوگ نمازِ عید کے لیے جاتے ہوئے راہ میں بیٹھے بھکاریوں کو فطرانہ دیتے جاتے ہیں، جو کہ مناسب طریقہ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کر دیا جائے تاکہ ضرورت مند افراد بھی عید کی تیاری کر سکیں۔

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عام طور پر گندم کی قیمت کے لحاظ سے فطرانہ ادا کیا جاتا ہے، جو جائز ہے، تاہم امیروں کے لیے مستحب یہی ہے کہ وہ کھجور یا پھر کشمش وغیرہ کے حساب سے فطرانہ دیں تاکہ غریبوں کی اچھے طریقے سے مدد ہو سکے، اسی طرح صاحبِ حیثیت افراد کو فطرانے کے علاوہ بھی عید کے موقعے پر صدقہ خیرات کرنا چاہیے کہ اس سے غریبوں کو عید کی خوشیاں نصیب ہوں گی اور ہو سکتا ہے کہ کسی کی دُعا آپ کی زندگی میں بھی مزید خوشیاں بھر دے۔

بقیہ: صفحہ ۸۳ پر



ہمت شکستہ

بنت مسعود

"چٹ، چٹ"

انڈا اچٹخا اور ننھا منا بچہ باہر نکل آیا۔

دوسرا انڈا چٹخا مگر جب تیسرے انڈے کے بجائے چوتھا انڈا چٹخا تو بی چڑیا کو تشویش ہوئی۔

"کیا بات ہے، باری تو اس انڈے کی تھی" انہوں نے میاں چڑے سے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

"چلو چل کر دیکھتے ہیں" میاں چڑے بھی گھبرائے۔

دونوں انڈے کے پاس پہنچے۔

"کھٹ کھٹ۔" دھیرے دھیرے انڈے پر چونچیں ماری گئیں اور جب انڈا ٹوٹا، چھلکا ہٹا تو دیکھا کہ ننھے میاں آرام سے آنکھیں موندے پڑے ہیں۔

"بے چارہ کمزور ہے۔"

بی چڑیا کی ممتا امنڈ آئی۔

"ہاں شاید۔" چڑے میاں کو شاید بی چڑیا کی رائے سے کلی طور پر اتفاق نہ تھا۔ کیونکہ بظاہر ننھے میاں نارمل نظر آرہے تھے۔

ننھے میاں نارمل ہی تھے بس یہ تھا کہ انہیں زیادہ ہاتھ پاؤں ہلانا پسند نہ تھا۔

"زندگی آرام آرام سے گزرنی چاہیے۔ ہر کام اپنے وقت پر خود ہی ہو جاتا ہے۔"

یہ ان کا مقولہ تھا اور وہ اپنے اس مقولے پر بڑی دلجمعی سے کاربند تھے۔

لہٰذا جب بی چڑیا دانہ دنکا چن کر آئیں اور سب بچے شور مچاتے ان کے گرد جمع ہو جاتے تو ننھے میاں آرام سے ایک طرف بیٹھے رہتے کیونکہ ان کا حصہ ان کو ضرور ملے گا بلکہ حصے سے کچھ زیادہ ہی کیونکہ بی چڑیا کے خیال میں وہ کمزور تھے اور ان کو بہتر غذا کی دوسروں سے زیادہ ضرورت تھی۔

اب بھلا ننھے میاں کو کیا پڑی تھی کہ اتنی مراعات کے ہوتے ہوئے وہ کچھ محنت کرتے وہ تو بس کونے میں اٹکے بڑے سے پتے کے پیچھے

دبکے بیٹھے رہتے کبھی کبھی سر نکال کر باقی بھائیوں پر نظر ڈال لیتے جن کو نچلا بیٹھنا نہیں آتا تھا کبھی ایک دوسرے سے الجھتے تو کبھی گھونسلے سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتے۔

کچھ دن اور گزر گئے۔ بچوں کو منے منے پر نکل آئے۔ اب وہ گھونسلے کی منڈیر پر چڑھ جاتے اور گھونسلے میں چھلانگیں لگاتے۔ ننھے میاں کے آرام میں خلل پڑتا وہ جھنجلا جاتے۔

''کیا مصیبت ہے؟'' وہ پتے کے پیچھے سے سر نکال کر ڈانٹتے۔

''ہر وقت شور مچاتے ہو۔ کبھی تو آرام سے بیٹھ جایا کرو تم لوگ۔''

''تم بھی آجاؤ۔ بڑا مزہ آرہا ہے۔'' بڑے بھائی دعوت دیتے۔

''ہاں، ہاں آجائیں آپ تو ہر وقت بیٹھے ہی رہتے ہیں۔ بور نہیں ہوتے۔'' منے میاں بھی بولتے۔

''تم تو چپ ہی رہو۔ میں تمہاری طرح وحشی نہیں ہوں کہ ہر وقت اچھل کود کرتا رہوں۔'' بڑے بھائیوں پر بس نہیں چلتا تو وہ ننھے میاں پر برس پڑتے۔

اصولاً تو وہ منے میاں سے چھوٹے تھے کیونکہ انڈے سے منے میاں کے بعد برآمد ہوئے تھے مگر انہوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ باری تو میری تھی باہر نکلنے کی پتہ نہیں تم کو کیا جلدی پڑی تھی مگر اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم میرے بڑے بن کر بیٹھ جاؤ۔'' انہوں نے منے میاں کی اچھی خبر لی تھی۔

پہلے تو منے میاں نے احتجاج کرنا چاہا مگر جب بی چڑیا نے بھی منے میاں کی حمایت کی تو منے میاں نے اپنے آپ کو چھوٹا مان لینے میں ہی عافیت جانی۔

''ارے! ان کا کیا ہے۔ بچپن جھپٹ کر پیٹ بھر ہی لیتے ہیں۔'' وہ چیں چیں کرتے بچوں کو ادھر ہٹاتی ننھے میاں کے پاس آجاتی۔

''اور دیکھو! تمیز سے بات کیا کرو!'' ننھے میاں نے گھر کی دی اور اب ننھے میاں بڑے ادب سے ان سے آپ جناب کر کے بات کرتے تھے۔

ننھے میاں اپنے آپ کو بڑا منوا کر کچھ زیادہ ہی اکڑ گئے تھے اب وہ اپنے چھوٹے موٹے کام بھی منے میاں سے کروا لیتے۔

''پتہ ٹھیک سے کھڑا کر دو میری جگہ صاف کر دو! ذرا دیکھو امی کہیں درخت پر نظر آرہی ہیں کہ نہیں'' اور منے میاں بڑی سعادت مندی سے ان کے کام کر دیتے۔

چند دن اور گزرے۔ ننھے منے پر بڑے ہو گئے جسم بالوں سے ڈھک گیا۔ بچے اب گھونسلے کے پاس چھوٹی چھوٹی شاخوں پر نکل جاتے ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھدکتے پھرتے۔ ننھے میاں بھی اب ہمت کر کے منڈیر پر آ بیٹھے مگر

گھونسلے سے باہر نکلنے کی ہمت نہ کر پاتے بھائیوں کو ادھر ادھر پھدکتے دیکھ کر منڈیر پر بیٹھتے بیٹھتے ہولتے رہتے۔

”خدانخواستہ اگر کوئی نیچے گر جائے تو۔“ وہ نیچے جھانکتے اور کانپ جاتے اور جو کبھی کتا بلی نظر آجاتا تو پھر اندر ہی کھسک لیتے اور اپنے پتے کے پیچھے جا چھپتے۔

اب تو بی چڑیا اور چڑے میاں بھی ان کو باہر آنے کی ترغیب دیتے۔

”آ کر تو دیکھو کیسا اچھا لگ رہا ہے۔“ بی چڑیا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھدکتے ہوئے ان کو بلاتیں اور گھونسلے کی منڈیر پر بیٹھتے ننھے میاں بہانے بنانے لگتے۔

”اس وقت تو ہوا بہت تیز ہے اب تو اندھیرا ہونے والا ہے۔ اف توبہ کتنی موٹی بلی نیچے بیٹھی ہے۔“ ان کو بہانے بھی خوب سوجھتے۔ کبھی کبھی چڑے میاں کو غصہ آجاتا۔

”کوشش نہیں کرو گے تو کیسے اڑنا سیکھو گے۔“ وہ ڈانٹتے اور ننھے میاں روہانسے ہو جاتے۔ ان کی رونی شکل دیکھ کر بی چڑیا پسیج جاتیں۔

”اے رہنے دو! وقت آئے گا تو اڑنا بھی سیکھ لے گا۔“ وہ چڑے میاں کو ٹوکتیں۔

”کمزور ہے نا بے چارہ۔“

”اونہہ.... پتہ نہیں کب وہ وقت آئے گا۔ بی چڑیا کی بے جا ہمدردی چڑے میاں کو پسند نہ آتی اور وہ بڑبڑاتے ہوئے اڑ جاتے۔

ننھے میاں بھی موقع غنیمت جان کر اپنی پناہ گاہ میں جا گھستے۔

”پتہ نہیں سب کیوں میرے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔“ وہ غصہ سے سوچتے۔

جب اڑنا آئے گا تو اڑ بھی لوں گا کیا ضرورت ہے کہ ابھی سے بلاوجہ کوششیں کروں اور کسی دن نیچے گر پڑوں اور نیچے وہ موٹی، کالی خالہ بلی....

وہ خوف سے آنکھیں بند کر لیتے۔

اور ایک دن منے میاں نیچے گر ہی پڑے وہ تو خیر ہوئی کہ بی خالہ اس وقت اپنی مخصوص جگہ پر نہ تھیں گھومنے گئیں ہوئیں تھیں اور جب کافی دیر کی کوشش کے بعد بی چڑیا اور چڑے میاں ننھے میاں کو واپس گھونسلے میں لانے میں کامیاب ہوئے تو ننھے میاں کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

”اور جاؤ باہر اور اڑو۔ آیا نہ مزہ اب اور جو خالہ بلی ہوتیں نیچے تو اور مزہ آتا۔“ انہوں نے جی بھر کر منے میاں کو سنائیں۔

”اے خدا نہ کرے۔“ بی چڑیا کا دل دہل گیا۔

”جب کچھ سیکھا جاتا ہے تو ایسا تو ہوتا ہی ہے۔“ چڑے میاں نے اطمینان سے کہا اور ننھے میاں جل گئے۔

”تو ضرورت کیا ہے سیکھنے کی۔ ہر چیز اپنے وقت پر آجاتی ہے“ وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنی پناہ گاہ میں گھس گئے۔

دو چار دن تو منے میاں محتاط رہے مگر کب تک....؟

ایک دن موسم بڑا پیارا ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور ننھے میاں گھونسلے میں بیٹھے سوچ رہے تھے کہ پتہ نہیں اماں کب آئیں گی کہ اتنے میں تینوں بھائی شور مچاتے گھونسلے میں داخل ہوئے۔ ننھے میاں جو پہلے ہی بھوک سے پریشان تھے جھنجلا گئے۔

''کیا مصیبت آگئی؟'' انہوں نے خفگی کا اظہار کیا۔

''پتہ ہے آج ہم تینوں اڑ کر برابر والے درخت پر چلے گئے۔'' منے میاں خوشی سے بے قابو ہو رہے تھے۔

''چلیں بھائی آپ بھی بڑا مزہ آیا۔'' انہوں نے ننھے میاں کو دعوت دی۔

اور ننھے میاں جو اب ہمت کر کے گھونسلے کے باہر والی شاخ پر بیٹھ جاتے تھے، بھنا گئے۔

''لے گئے تو کیا کمال کیا؟''

''کمال نہیں کیا تو ذرا جا کر دکھاؤ'' بڑے بھائی کو غصہ آگیا۔

''ضرورت کیا ہے۔ ایسی فضول حرکتیں کرنے کی۔'' ننھے میاں نے بڑے بھائی کا بھی لحاظ نہ کیا۔

''اور جو گر جاتے تو....؟''

''اونہہ پھر اڑ جاتے۔'' ننھے میاں بڑبڑائے۔

جب کوئی کام اچھی طرح آجائے تو جب ہی کرنا چاہیے۔

''جب تک کوشش نہ کی جائے کچھ نہیں آتا۔'' منے میاں نے قابلیت جتائی۔

''تم چپ رہو جی۔'' ننھے میاں ان پر برس ہی تو پڑے۔

''ذرا اڑنا کیا آگیا ہے۔ بیچارے اترائے ہی جا رہے ہیں۔''

اور منے میاں چپ ہو گئے۔

اور ایک دن ننھے میاں کو ایسا لگا کہ بھونچال آ گیا ہو۔ سارے درخت پر شور مچ گیا۔ ننھے میاں حسب معمول اکیلے گھونسلے میں بیٹھے تھے۔ مسلسل جھٹکوں اور شور سے گھبرا کر انہوں نے باہر جھانکا۔ درخت کاٹا جا رہا تھا۔ کلہاڑی کی مسلسل ضربوں سے درخت ہل رہا تھا۔ جن پرندوں کے درخت پر گھونسلے تھے۔ وہ درخت کے اوپر اڑ رہے تھے۔ اور حتی الامکان احتجاج کر رہے تھے۔ انہی میں ننھے میاں کے امی اور ابو بھی تھے۔ وہ اپنے بچوں کے لیے بے چین اور پریشان تھے۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ان کے تینوں بھائیوں کو برابر والے درخت پر پہنچا دیا گیا تھا اور اب امی ابا ان کو آواز دے رہے تھے۔ بلا رہے تھے۔

''آجاؤ! باہر آجاؤ! جلدی کرو!''

بی چڑیا بار بار آ کر ان کے پاس بیٹھتیں۔ پھر اڑ کر باہر شاخوں پر چلی جاتیں۔

ننھے میاں ہمت کر کے باہر شاخ پر نکل آئے مگر مسلسل جھٹکوں سے گھبرا کر پھر واپس اندر چلے گئے۔

''جلدی آؤ! کوشش کرو! دیکھو سب جا

رہے ہیں'' بی چڑیا بہت بے چین تھیں۔

''ہمت کرو! اڑنے کی کوشش کرو!'' مگر ننھے میاں نے کبھی کوشش کی ہوئی تو اڑتے بھی بڑی ہمت کر کے وہ شاخ کے آخری سرے تک آئے سامنے ہی دوسرے درخت کی شاخ نظر آ رہی تھی۔ بس ذرا سی ہمت، ذرا سی کوشش۔

مگر اسی وقت ان کی نظر خالہ بلی پر پڑی جو گیٹ کے پاس ہی ایک آنکھ بند کیے، ایک ذرا سی کھولے بظاہر اونگھ رہی تھیں مگر حقیقتاً ساری کارروائی دیکھ رہی تھیں۔

ننھے میاں کی تو جیسے سانس رک گئی گھبرا کر واپس گھونسلے میں چلے گئے اور اسی وقت ''اڑ ـڑاڑ دھم....'' تنا کٹ گیا درخت گر گیا۔ گھونسلا بکھر گیا اور ننھے میاں لڑھکتے ہوئے سیدھے مانو بلی کے سامنے جا گرے۔ جو بظاہر تو سو رہی تھی مگر....

تو پیارے ساتھیو! اگر ننھے میاں بھی اڑنا سیکھ لیتے، گھونسلے میں بیٹھے بیٹھے وقت کا انتظار نہ کرتے رہتے تو ان کی بھی جان بچ جاتی۔

آپ بھی ہر نئی چیز جاننے کی، سیکھنے کی کوشش کیا کیجئے۔ یہ مت سوچا کیجئے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا، یا یہ کہ جب وقت آئے گا تو آجائے گا۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں، وہ زندگی کی دوڑ میں سب سے پیچھے رہ جاتے ہیں اور جو لوگ ہر چیز سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے آپ کو ہر کام کرنے کے قابل سمجھتے ہیں وہ سب سے آگے نکل جاتے ہیں۔ بہت آگے.... اتنا کہ دوسرے پھر ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

تو پیارے ساتھیو! آپ بھی کوشش کیجئے کہ آپ کا نام بھی آگے نکل جانے والوں میں شامل ہو نہ کہ پیچھے رہ جانے والوں میں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

☆......☆......☆

کوپن برائے ''وہ کون تھا؟''

نام:...

ولدیت:...

مکمل ایڈریس:...

تعلیم:...

جواب:...

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

نورالرحمن

کمپیوٹر ماموں



ننھے میاں نے کے جی پاس کرلیا۔ بہت سارے اے کے ساتھ۔ اب وہ درجہ اول میں آ گئے تھے۔

ننھے میاں بہت خوش تھے۔ کیوں نہ خوش ہوتے۔ نیا بستہ، نئی کتابیں، کاپیاں، ربر، پینسل، کٹر نئی نئی یونیفارم، نیا درجہ، اور وہی سب پرانے دوست۔ اپنی نئی کتابوں کو دوستوں کو دکھانے اور ان کی نئی نئی کتابیں دیکھنے میں کتنا مزہ آتا ہے۔ کیا ہوا جو سب کے پاس ایک سی ہی کتابیں ہیں۔

☆☆☆☆☆

پہلا دن۔ صبح ہی سے گھر میں عید کا ماحول ہے۔ فجر کی نماز کے بعد ہی سے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ امی نے تو سوئیاں بھی بنائی ہیں۔ ابا نے بھی اچھے کپڑے پہنے ہیں۔ ننھے میاں نے تو نئی یونیفارم پہنی ہے۔ نئے نئے جوتے کیسے چمک رہے ہیں۔ بستہ ذرا بھاری ضرور ہے، لیکن نیا تو ہے۔ وقت سے پہلے ہی سب لوگ اسکول چل دیے۔ آج پہلا دن ہے نہ۔ ابا، امی دونوں ننھے میاں کو اسکول چھوڑنے گئے۔ اسکول کیا، درجہ کے اندر تک ننھے میاں کے ساتھ گئے۔

ننھے میاں کے سب دوست نئی نئی یونیفارم میں نئے نئے بستوں کے ساتھ آئے ہیں۔ ننھے میاں اپنے دوستوں سے باتیں کرنے میں مشغول ہوگئے۔

ابا امی خاموشی سے واپس چلے گئے۔ ننھے میاں نے ان کو خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ پھر بھی وہ بہت خوش تھے۔ ننھے میاں خوش تھے نا۔

☆☆☆☆☆

کلاس شروع ہونے کا گھنٹہ بجا۔ اور ان کی ٹیچر آنٹی درجہ میں آ گئیں۔

”ہائے اللہ! نئی ٹیچر۔“ یہ گمان تو ننھے میاں کے خواب میں بھی نہیں گذرا تھا۔

”پچھلی ٹیچر تو بہت پیاری تھیں۔ کیا پتہ یہ کیسی ہوں۔ کہیں یہ مارتی نہ ہوں۔ پہلے والی تو ڈانٹتی تک

نہ تھی۔کیا پتہ۔“

انہوں نے بولنا شروع کیا۔کیا معلوم کیا بول رہی تھیں۔ ننھے میاں کی سمجھ میں تب آیا جب دوسرے بچوں نے جواب دینا شروع کیا۔

سب اپنا اپنا نام بتا رہے تھے۔اپنے ابا کا نام بتا رہے تھے۔ننھے میاں کا بھی نمبر آیا۔انہوں نے بھی اپنا نام بتایا۔”ننھے“۔ اپنے ابا کا نام بتایا۔”ابا“۔سب ہنسنے لگے۔ٹیچر بھی ہنسنے لگیں۔سب کیوں ہنس رہے ہیں بھلا؟ ننھے میاں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ان کے دوست نے ان کا اور ان کے ابا کا بھی نام بتا دیا۔ بات آگے بڑھ گئی۔ ٹیچر آنٹی کچھ بول رہی ہیں اب۔

”آپ سب کو گنتی آتی ہے؟“

”آتی ہے۔“ سب بچوں نے مل کر جواب دیا۔ ننھے میاں نے بھی جواب دیا۔ ٹیچر آگے بولیں۔

”اب آپ لوگ ان کو جوڑنا اور گھٹانا سیکھیں گے۔آپ لوگوں کو الیف بے یاد ہے؟“

”یاد ہے۔“

”اب آپ ان کو ملا کر الفاظ بنانا سیکھیں گے۔اے بی سی کسے کسے آتا ہے؟“

اب ننھے میاں کو سب سمجھ آنے لگا تھا۔مگر پھر گڑبڑ ہوگئی۔ٹیچر بولیں۔

”اور کمپیوٹر کس کس کو آتا ہے؟“

”کیا؟ کیا بولا ٹیچر نے؟ کم پوٹر یہ کیا ہوتا ہے بھلا؟“ ننھے میاں کے ہوش پھر اڑ گئے۔یہ دیکھ کر کچھ جان واپس تو آئی کہ بہت کم بچوں نے ہاتھ اوپر کئے ہیں۔مگر یہ ہے کیا بلا؟ ٹیچر کہہ رہی تھیں۔

”اس سال میں آپ کو کمپیوٹر کے بارے میں بھی بتاؤں گی۔ یہ کیا ہوتا ہے، کیسا ہوتا ہے، اور اس کے کیا کیا فائدے ہیں۔ پھر اگلے درجوں میں آپ ان پر کام کرنا بھی سیکھیں گے۔آپ لوگوں میں سے کمپیوٹر دیکھا کس کس نے ہے؟“

پھر بہت کم ہاتھ اوپر ہوئے۔

”اچھا چلیے۔آج میں آپ سب کو کمپیوٹر دکھاتی ہوں۔اس کے بعد آپ لوگ چاہیں تو میدان میں جا کر کھیل سکتے ہیں۔ یا جو چاہیں درجہ میں بیٹھ کر ڈرائنگ بنا سکتے ہیں۔ پڑھائی ہم کل سے شروع کریں گے۔“

ٹیچر آنٹی چل دیں۔سب بچے ساتھ ہو لئے۔ ننھے میاں بھی ساتھ ہو لئے۔ننھے میاں بہت خوش ہیں۔ یہ ٹیچر تو بہت اچھی ہیں۔ بہت ہی اچھی ہیں۔ کے جی والی ٹیچر تو کبھی میدان کی طرف جانے ہی نہیں دیتی تھیں۔

ننھے میاں اور ان کے دوست دالان میں کھڑے ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ میدان میں کھیلتے بڑے بچوں کی طرف دیکھا کرتے تھے۔ کے جی والی ٹیچر تو کبھی ان لوگوں کو درجہ سے باہر بھی نہیں لے گئیں۔اچھی ٹیچر!!

ٹیچر سب بچوں کے لے کر اس طرف مڑ گئیں

جدھر بہت سے بڑے بڑے کمرے تھے۔ اب تک ننھے میاں اور ان کے دوستوں کو ادھر جھانکنے تک کی اجازت نہ تھی۔ ننھے میاں اور ان کے دوستوں میں ان کمروں کے بارے میں بہت سی پراسرار کہانیاں رائج تھیں۔ ان کہانیوں کو کہنے سننے کے ہر موقع پر کوئی نہ کوئی ان کہانیوں میں ایک نئی کہانی جوڑ دیتا تھا۔ جتنی خوفناک وہ کہانی ہوتی تھی، اتنی ہی ان کمروں میں جھانکنے کی خواہش ان لوگوں میں بڑھ جاتی تھی۔ اور آج ٹیچر آنٹی ان لوگوں کو ان ہی خوفناک اور پراسرار کمروں میں لے جا رہی تھیں!

ٹیچر نے ایک بڑے سے کمرے کا بڑا سا دروازہ کھول کر سب بچوں کو اندر چلنے کو کہا۔ ننھے میاں نے کمرے کے باہر لگے بورڈ کو پڑھنے کی کوشش کی۔ کم.. پو.. ٹر.. لب.. (کمپیوٹر لیب)۔ ننھے میاں کو کچھ خاص سمجھ میں نہ آیا۔ وہ سب بچوں کے ساتھ اندر ہو لیے۔ کمرے کے اندر ہر طرف چھوٹے چھوٹے ٹی وی رکھے ہوئے تھے۔ ہر ٹی وی کے ساتھ ایک بڑا سا ڈبّہ رکھا تھا اور سامنے ایک پٹرے پر بہت سے بٹن بنے تھے جن پر اے، بی، سی ایک عجیب سے انداز میں لکھا ہوا تھا۔ اور بھی نہ جانے کیا کیا چیزیں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں اور عجیب عجیب بتیاں جل رہی تھیں۔ ننھے میاں کا یہ پراسرار کمرہ کچھ زیادہ ہی پراسرار تھا۔

کمرے میں ہر طرف تار ہی تار بکھرے ہوئے تھے اور کمرے کی ہر چیز ایک دوسرے سے کسی نہ کسی تار سے جڑی ہوئی تھی۔ ننھے میاں گھبرا گئے۔ ان کی امی نے ہمیشہ ان کو تاروں سے دور رہنے کو کہا ہے۔ ان میں بجلی ہوتی ہے۔ اس سے کرنٹ لگ جاتا ہے۔ آدمی مر تک سکتا ہے۔ ننھے میاں ڈر کر سب سے پیچھے ہو گئے۔

ٹیچر نے ایک ٹی وی کے پاس رکھے ڈبے پر لگے ایک بٹن کو دبایا۔ ٹی وی پر طرح طرح کے عکس ابھرنے لگے۔ سب بچوں نے ٹیچر اور اس ٹی وی کو گھیر لیا۔ ننھے میاں چونکہ سب سے پیچھے تھے، ان کو ٹی وی نظر آنا بند ہو گیا۔ ٹیچر کچھ بتا رہی تھیں۔ ننھے میاں کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ٹی وی پر تصویریں بدل رہی تھیں۔ ننھے میاں کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ نظریں گھما گھما کر کمرے میں رکھے دوسرے ٹی وی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سب کے کالے کالے پردوں پر ان کو طرح طرح کے سائے ناچتے نظر آ رہے تھے۔ سب سائے ننھے میاں کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ ننھے میاں کا دل کر رہا تھا کہ زور زور سے رونا شروع کر دیں۔ مگر اتنے ڈراؤنے کمپیوٹروں کے سامنے ان کے مونہہ سے آواز بھی نہ نکلی۔ یہ تو رات والے کالے بھوت سے بھی زیادہ ڈراؤنے ہیں۔ رات والا کالا بھوت تو صرف رات میں آتا ہے۔ اور اکیلا ہی آتا ہے۔ اور وہ تو ابا سے ڈرتا بھی ہے۔ مگر یہ

کمپیوٹر تو اتنے سارے ہیں۔ اور دن میں بھی نظر آرہے ہیں۔ اور ابا نے تو کبھی ان کا نام بھی نہیں لیا۔ کیا پتہ ابا بھی ان سے ڈرتے ہوں۔ کیا پتہ۔ یہ نئی ٹیچر کتنی خراب ہے۔ بہت بہت خراب ہے۔ گندی ٹیچر۔۔۔

ننھے میاں گھر آگئے۔ اداس اداس۔ امی نے بلائیں لیں۔ بچہ تھک گیا ہے شاید، انہوں نے سوچا۔ زیادہ کچھ پوچھا نہیں۔ شام کو ابا نے بات کرنے کی کوشش کی۔ ننھے میاں نے بتایا۔

''نئی ٹیچر بہت گندی ہے۔''

''اچھا''، ابا بولے۔

''وہ نہاتی نہیں ہے کیا؟''

''ابا''، ننھے میاں ناراض ہو گئے۔ ابا نے منانے کی کوشش کی اور ننھے میاں کو گود میں لے لیا۔ آخر ننھے میاں بولے۔

''ابا! آپ نے کمپوٹر بھوت دیکھا ہے؟''

''کمپیوٹر بھوت؟'' ابا ہنس پڑے۔

''یہ کیا ہوتا ہے بھلا؟''

اور ننھے میاں نے اسکول کا پورا واقعہ دہرا دیا۔ ابا ایک لمحہ کو ہنسے، پھر خاموش ہو گئے۔

''کمپیوٹر تو بہت کام کا ہوتا ہے بیٹا! وہ تو ہماری بہت مدد کرتا ہے۔ اور بھوت ووت تو کچھ ہوتا ہی نہیں ہے۔ میں نے کتنی بار سمجھایا ہے آپ کو۔''

''لیکن اس کے ہاتھ پیر تو تھے نہیں، وہ کام کیسے کرتا ہے؟'' ننھے میاں بولے۔

''اچھا ننھے میاں، ابھی آپ کھیلئے۔ میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔ میں آپ کو رات میں سونے سے پہلے کمپیوٹر کے بارے میں بتاؤں گا'' ابا بولے۔

اور ابا باہر چلے گئے۔ اپنے کسی دوست سے ملنے۔ انہیں خود بھی تو معلوم کرنا تھا کہ کمپیوٹر آخر کام کیسے کرتا ہے؟

ابا کافی دیر بعد واپس آئے، بالکل رات کے کھانے کے وقت پر۔ ان کے ہاتھ میں کچھ کتابیں بھی تھیں جن کے ورق وہ کھانے کے دوران بھی پلٹتے رہے۔ کھانے کے بعد ننھے میاں کا سونے کا وقت ہوتا ہے، اور ابا کا کہانیاں سنانے کا۔ آج تو ابا کو کمپیوٹر کی کہانی سنانی تھی۔

کمپیوٹر کا خیال آتے ہی ننھے میاں کے پھر ہوش غائب ہو گئے۔ انہیں پھر ہر طرف کمپیوٹر بھوت ناچتے ہوئے نظر آنے لگے۔

ابا کچھ بتا رہے تھے، ننھے میاں کو سُن کر بھی کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ ابا سمجھا رہے تھے، ننھے میاں کو سمجھ کر بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ابا کتابوں میں تصویریں دکھا رہے تھے، ننھے میاں کو دیکھ کر بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ ابا سناتے چلے گئے۔ ننھے میاں سنتے چلے گئے۔ بھوت سارے ناچتے چلے گئے۔ ابا کتابوں میں کھو گئے۔ ننھے میاں تکیہ میں دبک کر سو گئے۔ بھوت ہواؤں میں ہوا ہو گئے۔

اچانک ایک زور کی آواز ہوئی۔ جیسے کمرے میں کوئی کودا ہو۔ ننھے میاں نے جلدی

سے ابا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ہاتھ خالی بستر سے ٹکرا گیا۔ ابا وہاں نہیں تھے۔ ننھے میاں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ سامنے کمپیوٹر بھوت کھڑا تھا۔ ننھے میاں نے زور کی چیخ ماری۔ مگر چیخ ان کے گلے سے نکلی نہیں۔ اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔ ان کا چہرہ سفید پڑ گیا، بالکل برف کی طرح۔ آنکھیں باہر کو آ گئیں، بڑی بڑی ہو گئیں۔ ننھے میاں کو لگا وہ کانپ بھی رہے ہیں۔ بھوت ہنس پڑا۔

"سلام ننھے میاں!"

ننھے میاں کی حالت میں کوئی خاص فرق نہ آیا۔ بس ذرا ہوش سنبھل گئے۔ کمپیوٹر بھوت کو انہوں نے ٹھیک سے دیکھا۔ یہ تو پورا آدمی تھا۔ سر کی جگہ پر ٹی وی تھا۔ ڈبے کا جسم۔ ہاتھوں میں وہ اے بی سی والا تختہ تھا نہ، وہ لے رکھا تھا۔ اس کے تو دم بھی تھی۔ اور تو اور۔ اس کی دم میں ایک چوہا لٹک رہا تھا۔ اور ننھے میاں ہنس پڑے۔ یہ کیسا بھوت ہے بھلا۔ اس کی تو دم میں چوہا لٹک رہا ہے۔ اور ننھے میاں زور سے ہنس پڑے۔

"آپ کیسے بھوت ہیں؟ آپ کی دم میں تو چوہا لٹک رہا ہے۔"

"بھوت کیسا بھوت؟ یہ بھوت کیا ہوتا ہے ننھے میاں؟" کمپیوٹر بھوت نے پوچھا۔

"آپ۔ آپ بھوت ہیں۔ آپ بھوت نہیں ہیں کیا؟"

"بھوت؟ اچھا۔ ابھی دیکھتا ہوں۔"

بھوت کے ہاتھوں میں جو تختہ تھا اس نے اس پر کچھ بٹن دبائے۔ اور اس نے چہرے پر سے آنکھ، ناک، منہ ہٹ گئے اور ان کی جگہ تمام تصویریں اور عبارتیں ابھرنے لگیں۔ پھر دوبارہ اس کا چہرہ واپس آ گیا اور وہ بولا۔

"میں نے سب معلوم کر لیا۔ بھوت ووت کچھ نہیں ہوتا۔ یہ صرف بچوں کے دماغ کا ایک خیال ہے۔"

"اگر بھوت نہیں ہوتا تو آپ کیا ہیں؟" ننھے میاں نے پوچھا۔

"میں۔ میں تو کمپیوٹر ہوں۔ آپ چاہیں تو مجھے کمپیوٹر ماموں کہہ لیں۔ آپ کمپیوٹر کے بارے میں نہیں جانتے؟"

"نہیں، نہیں، جانتا کیوں نہیں ہوں،" ننھے میاں کیونکر کہہ دیتے کہ انہیں کچھ نہیں معلوم۔

"ابا نے بتایا ہے۔ مگر میں ذرا بھول گیا ہوں۔ آپ مجھے بتائیں گے اپنے بارے میں؟"

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔" کمپیوٹر بولا،

"سب بچوں کو میرے بارے میں معلوم ہونا چاہئے۔ کمپیوٹر، اِنٹرنیٹ، ورلڈ وائڈ ویب وغیرہ تو آج کی زندگی کا حصہ ہی نہیں ضرورت بن چکے ہیں۔ میں آپ کو سب کے بارے میں بتاؤں گا۔ آپ سنیں گے؟"

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں سنوں گا" ننھے میاں فوراً بولے اور بستر پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ کمپیوٹر

نے بولنا شروع کیا۔

کمپیوٹر، یا جس کو آپ جنتر منتر بھی کہہ سکتے ہیں، آج کی دنیا میں کسی تعارف کی ضرورت نہیں رکھتا۔ جو کمپیوٹر کو جانتا ہو وہ انٹرنیٹ اور آفاقی تانے بانے سے واقف نہ ہو، ایسا ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے۔

انٹرنیٹ کے ذریعہ کسی بھی چیز کے بارے میں معلومات حاصل کرنا اور دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود شخص سے تفصیل سے تبادلہ خیال کرنا آدمی کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن گیا ہے۔

صنعت وحرفت کی ترقی کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ تک عام آدمی کی پہنچ آسان ہوگئی ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ ادارے اور زیادہ سے زیادہ لوگ آج روزمرّہ کی زندگی اور کام کاج میں کمپیوٹر کا استعمال کر رہے ہیں''

''موش۔ وہ جو آپ کی دم میں لٹکا ہوا ہے؟ اس کو ہاتھ سے پکڑنا پڑتا ہے؟ یہ کاٹتا نہیں؟'' ننھے میاں نے پوچھا۔

''نہیں ننھے میاں۔ آپ تو بہت ڈرتے ہیں۔ یہ تو بالکل کھلونا ہے۔ اس میں ڈرنے کی کیا بات۔'' کمپیوٹر بولا۔

''جی نہیں۔ میں کیوں ڈروں گا؟ میں تو بھوت سے بھی نہیں ڈرتا۔ اور پتہ ہے میرے ابا تو شیر سے بھی نہیں ڈرتے۔'' ننھے میاں کہاں ہار ماننے والے تھے۔

''وہ سب تو میں نہیں جانتا۔'' کمپیوٹر بولا۔

''مگر آپ کو موش سے ٹک ٹک کرنے میں بہت مزہ آئے گا۔ یہ میں یقین سے جانتا ہوں۔ میرے پاس اور بھی مزے کی چیزیں ہیں۔ آپ نے جامِ جمشید یا جامِ جہاں نما کے بارے میں ضرور سنا ہوگا۔ ابا نے جامِ جمشید والا قصہ سنایا ہوگا۔ یہ سب قصوں اور کہانیوں کی باتیں جب تھیں تب تھیں۔ اب یہ چیزیں ہمارے سامنے کمپیوٹر کی آرسی پر تانا بانا ورق کی شکل میں موجود ہیں۔ دنیا بھر کا حال اس پر دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے؟ آج سے کچھ ہی سال پہلے تک چھوٹی سی چھوٹی معلومات حاصل کرنے کے لیے گھنٹوں کسی لائبریری میں گذارنے پڑتے تھے۔ کبھی کبھی تو لائبریری در لائبریری بھٹکنا پڑتا تھا۔ نہ جانے کہاں کہاں کے اخبارات چھاننے پڑتے تھے۔

اب آپ کمپیوٹر کھولیے، اس کو انٹرنیٹ سے جوڑیے، کسی بھی اچھّے حربہ تلاش کو حکم دیجیے کہ وہ دنیا بھر سے وہ تمام معلومات ڈھونڈ لائے جس کی آپ کو ذراسی ضرورت ہے۔ اور چند ہی لمحوں میں آپ کی ضرورت سے وابستہ ویب صفحات کی بارش شروع ہوجائے گی۔''

''آپ کے پاس الہ دین کا چراغ ہے کیا؟'' ننھے میاں نے ٹوکا۔

بقیہ: صفحہ ۸۵ پر

بیماری کا علاج

حفصہ حمیرا بنت عبداللہ



فرمان تیز تیز چلتا ہوا سکول وین میں پہنچا اور جا کر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ معمول کے مطابق اُس نے کوئی شور نہیں کیا اور نہ دوسرے بچوں نے اُسے تنگ کرنے کی کوشش کی۔ سارے بچے تمیز سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

وین کے چلتے ہی ٹھنڈی ہوا اور زیادہ تیز ہوگئی۔ اگر کوئی سکول کا استاد آ کر دیکھتا تو حیران رہ جاتا اتنی خاموشی وہ بھی اس بس میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آج رمضان المبارک کا دسواں روزہ تھا لیکن فرمان بیچارہ کہاں رکھ سکتا تھا اور نہ رکھنے کی وجہ بھوک تھی جو وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اس دفعہ تو اُس کے پاس اچھا بہانہ بھی تھا وہ یہ کہ میں دو ماہ سے بیمار ہوں، کمزور ہوگیا ہوں۔

لیکن آج اُس کے چہرے پر ندامت تھی روزے نہ رکھنے کی اور نیکیاں حاصل نہ کرنے کی اور اس کی وجہ سر باسط کی بتائی ہوئیں باتیں تھیں جو انہوں نے کلاس میں کیں تھیں۔

اُس کے ذہن میں سر باسط کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔ وہ مکمل طور پر سر کی باتوں میں کھویا ہوا تھا کہ کیسے آج سر باسط اُن کی کلاس میں بے تحاشا شور کو سن کر تشریف لائے اور انہیں کہا تھا:

''بچو! اسقدر ناشکری۔ رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا تحفہ ہے اور تم لوگ اس مبارک ماہ میں عبادت کی بجائے فضول گفتگو میں لگے ہوئے ہو۔

''سکول میں عبادت کیسے کریں؟ وہ بھی کلاس میں بیٹھ کر؟'' تیسرے نمبر پہ بیٹھے حاشر نے حیرت ظاہر کی۔

''آپ لوگوں نے روزہ رکھا ہے؟''

سر کے سوال پر بہت سے بچوں نے ہاں میں سر ہلایا۔

''تو پھر آپ یہ بھی یاد رکھو کہ روزہ دار کا خاموش رہنا بھی عبادت ہے۔ آپ لوگ اپنے شور سے دوسروں کو پریشان کررہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''جب تم روزہ رکھو تو فضول گفتگو سے پرہیز کرو اور اگر کوئی دوسرا تم سے کوئی بری بات کہے تو کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں''

فرمان جو چھپ چھپ کر کوئی چیز کھانے میں مصروف تھا سر باسط کی باتیں سن کر اداس ہوگیا، وہ کھانا چھوڑ کر بولا۔

''سر! میں روزہ دار نہیں ہوں۔'' سر باسط نے فرمان کے لہجے میں افسردگی محسوس کی۔

''کیوں نہیں ہیں آپ روزے دار؟''

''کیونکہ میں بیمار ہو جاتا ہوں۔''

فرمان نے رٹی رٹائی بات جو وہ گھر میں سب کو کہتا تھا سر کو بھی کی۔

''ایسا نہیں کہتے۔ روزہ رکھنے سے تو ہم تندرست و توانا ہوتے ہیں۔

''وہ کیسے سر جی؟'' فرمان کی خاموشی کو دیکھ کر حاشر نے ہی ہمت کی اور سر سے پوچھا۔

''جب ہم پورا مہینہ روزے رکھتے ہیں اور دن بھر بھوکے پیاسے رہتے ہیں تو ہمارا معدہ آرام کرتا ہے اور معدہ سے ہونے والی بیماریوں سے ہم محفوظ رہتے ہیں۔ غیر مسلموں نے اسی بات کے پیش نظر کسی دوسرے مہینے میں بھوکے پیاسے رہتے ہیں تاکہ وہ بھی ہماری طرح تندرست رہیں اور بیماریوں سے بچتے رہیں۔

آئندہ آپ نے سارے روزے رکھنے ہیں۔'' سر باسط نے شفقت سے ہاتھ فرمان کے سر پر رکھا۔

''جی ٹھیک ہے۔''

فرمان نے دل میں سوچا شاید یہی وجہ ہے دادی اور میرے بیمار ہونے کی۔ گھر جا کر وہ دادی کو بتائے گا۔ وہ انہیں سوچوں میں تھا جب اُس کا گھر آ گیا اور وہ اُتر گیا۔

عصر کے بعد وہ دادی کے کمرے میں گیا تو دادی جان کو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ بڑی مشکل سے نماز ادا کر رہی تھی جب دادی نماز پڑھ چکی تو فرمان نے کہا:

''دادی! آپ بیٹھ کر نماز کیوں پڑھ رہیں تھیں؟''

''بیٹا! میری بوڑھی ہڈیوں میں کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت نہیں ہے'' دادی نے مایوسی سے کہا۔

''دادی جان! مجھے سر نے ہماری بیماری کا علاج بتایا ہے'' اور پھر ایک ہی سانس میں سر کی تمام باتیں بنا دیں۔

''بالکل یہ ہماری بیماری کا علاج ہے، پر میں تو اب بہت زیادہ بوڑھی ہو چکی ہوں اور بڑھاپے کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں خوب عبادت کریں گے اور اللہ کو خوش کریں گے لیکن جو جوانی میں اُس کی یاد سے غافل رہا وہ بڑھاپے میں کیسے عبادت کر کے سکون حاصل کر سکتا ہے؟

اس لیے صحت کو بیماری یا محتاجی آنے سے پہلے غنیمت جانو اور خوب نیکیاں کماؤ!'' دادی نے فرمان کے سر پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

فرمان کی آنکھوں میں نیکیاں کرنے اور اپنے آپ کو ایک نیک اور فرمانبردار انسان بنانے کی چمک تھی۔

دادی سمجھ گئی تھی کہ اب اندھیرا ختم ہوا کیونکہ اب اُس نے روشنی کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔

☆......☆......☆



53

سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

ارکاٹ کے جشنِ شاہانہ سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی نے میر معین الدین خان کو چنور، علی رضا خان کو مضافات ارکاٹ اور شہزادہ ٹیپو سلطان کو جنوبی قلعوں کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ میر معین الدین، چتور فتح کر کے چندر گیری کی طرف بڑھا۔

شہزادہ ٹیپو سلطان ماہی منڈل اور کیلاش گڑھ کے قلعوں کو فتح کرتا ہوا سات گڑھ کی طرف پہنچا۔ یہاں کا قلعہ نہایت مضبوط تھا اور اس کی حفاظت کے لئے ایک زبردست فوج متعین کی گئی تھی مگر ٹیپو سلطان کی بلند اقبالی دیکھ کر کسی لڑائی کے بغیر دشمن نے سات گڑھ کا قلعہ، ٹیپو سلطان کے حوالے کر دیا۔

یہاں سے ٹیپو سلطان آمبور کی طرف بڑھا، جہاں والا جاہ محمد علی اور انگریزوں کے لشکر مقیم تھے۔

پندرہ دن کے محاصرے کے بعد ٹیپو نے آمبور بھی فتح کر لیا۔

فتح امبور کے بعد ٹیپو سلطان کو ہ راوت اور نیلور پر قبضہ کر کے تپاک گڑھ پر حملہ آور ہوا جہاں انگریز سپاہ متعین تھی۔ چند دن کی لڑائی کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا اور قلعہ داروں کو امان دے دی گئی۔ مگر قلعے والوں نے ٹیپو سلطان کے خیموں میں آ کر غداری کی۔

اس جرم پر وہ سب کے سب قتل کر دیے گئے اور انگریز قیدیوں کو سرنگا پٹم بھیج دیا گیا۔

والیِ میسور کی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ چند ساحلی مقامات کو چھوڑ کر کرناٹک کا پورا علاقہ، حیدری فوج کے تصرف میں تھا۔

جب وارن ہیسٹنگز کو یہ خبر ملی کہ مدراس کا پورا علاقہ انگریزوں کے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو اس نے جنرل سرائر کوٹ کو بحری راستے سے مدراس بھیجا۔ جنرل سرائر کوٹ نے اپنی عسکری صلاحیتوں کے باعث بنگال میں بہت نام پیدا کیا

تھا۔ جنرل سرائر کوٹ، کوہ مور سے نکل کر وانڈی واش پہنچا جہاں کپتان فلنٹ محصور تھا۔

انگریزوں کی اس نئی فوج کے آتے ہی حیدری فوج، محاصرہ اٹھا کر محمود بندر چلی گئی۔ جنرل کوٹ نے وانڈی واش پر قبضہ کر کے محمود بندر پر چڑھائی کردی۔

اس خبر کے سنتے ہی نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان بھی محمود بندر پہنچ گئے۔

یہاں انگریزی فوج اور حیدر علی کے لشکر کے درمیان ایک خونریز جنگ ہوئی۔

جب جنرل سرائر کوٹ کو یہ معلوم ہوا کہ نواب حیدر علی بھی میدان جنگ میں موجود ہے تو اس نے انگریزی جہازوں کو اسی مقام پر گولہ باری کرنے کا حکم دیا۔

مجبوراً نواب حیدر علی کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔

والی میسور کے پیچھے ہٹتے ہی انگریز فوجوں نے آگے بڑھ کر حصار قلعہ پر قبضہ کرلیا۔

اس جنگ کے دوران نواب حیدر علی کے برادر نسبتی میر علی رضا خان پر ایک گولہ آ کر گرا اور وہ جاں بحق ہوگیا۔

حیدر علی نے اسی وقت میر علی رضا خان کی لاش کرم کنڈہ روانہ کردی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ انگریزی جہازوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا۔

حیدر علی کی فوجیں انگریزوں کی اس کارروائی کا جواب دینے سے قاصر تھیں اسی لئے ان کا بہت جانی نقصان ہوا۔

مجبور نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو موت کے منہ سے نکال کر تنڈی دانم چلا گیا اور محمود بندر پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔

نواب حیدر علی نے اس شکست کا ازالہ کرنا چاہا مگر وقت اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

مدراس پہنچ کر جنرل سرائر کوٹ کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ جنرل اسٹیوارٹ کو سپہ سالار بنا دیا گیا۔

اسی دوران انگلستان سے نیا گورنر لارڈ میکارنٹی، مدراس آگیا۔

کیونکہ یورپ میں انگریزوں اور ڈچوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی تھی، اس لئے لارڈ میکارنٹی نے مدراس آتے ہی انگریزی فوج کو ڈچوں کے علاقے ناگ پیٹ پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا۔

کرنل بربیٹ وائٹ کی تیاری میں ایک زبردست فوج روانہ کردی گئی، جس نے ناگ پٹم پر قبضہ کر کے تلجری پر چڑھائی کردی۔

مگر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے دریائے کاویری کے قریب اسے گھیر لیا۔

چند دن کی لڑائی کے بعد انگریزوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فرنگیوں کا تقریباً پورا لشکر تباہ ہو گیا تھا۔

باقی ماندہ فوج کو زنجیریں پہنا دی گئیں۔

گرفتار ہونے والوں میں اس وقت فرانس کے دو سپہ سالار موسیو آلن اور موسو ڈی لالی، نواب حیدرعلی کی ملازمت میں تھے۔

انہوں نے اپنی حکومت کو یہاں کے حالات سے باخبر کر دیا۔ نتیجتاً حکومت فرانس نے اپنے مقبوضات بچانے اور حیدرعلی کی مدد کرنے کے خیال سے جنگی جہازوں کا ایک بیڑا روانہ کر دیا۔

فرانسیسی فوج نے محمود بندر پر اتر کر چدم برم اور برما کوئل پر قبضہ کر لیا۔ اسکے جواب میں انگریزوں نے ایک زبردست فوج کڈلور پر اتار دی۔ یہ فوج جنرل اسٹیوارٹ کے ماتحت تھی۔

نواب حیدرعلی بھی اپنی فوجوں کے ساتھ کڈلور کی طرف بڑھا۔ اس وقت سمندر میں فرانسیسی جہاز والیٔ میسور کی مدد کے لئے موجود تھے۔

یہاں ایک خونریز جنگ ہوئی، جس میں انگریزوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

اس فتح کے بعد نواب حیدرعلی نے اپنی فوجوں کو وانڈی واش اور پانڈیچری پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود آرنی کی طرف بڑھا۔

اگرچہ حیدرعلی کا مرض پوری شدت اختیار کر چکا تھا لیکن اس نے اپنی قوت ارادی سے آرنی کا قلعہ بھی فتح کر لیا۔ پھر یکایک اُس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بستر پر گر پڑا۔

دراصل نواب حیدرعلی کو سرطان کا مرض تھا۔ اس خوفناک بیماری کے انکشاف کے باوجود وہ دس سال تک اپنی پیٹھ میں سینکڑوں ناسور لئے دشمنوں سے جنگ کرتا رہا۔

آخری وقت میں جب طبیبوں نے حیدرعلی کے لباس کو اس کے جسم سے علیحدہ کیا تو پوری پیٹھ ناسوروں سے چھلنی نظر آرہی تھی۔

یہ منظر دیکھ کر شجاعت خان اور دوسرے سپہ سالار رو پڑے۔ تمام مشیروں نے اشکبار آنکھوں کے ساتھ عرض کیا۔

”نواب بہادر! آپ نے تو اس مملکت کی فلاح و بہبود کے لئے خود کو ہلاک کر ڈالا۔

خدا کے واسطے تمام جنگی مہمات سے کنارہ کش ہو کر آرام فرمائیے اور شہزادے کو طلب کر کے حکومت کا انتظام ان کے سپرد کر دیجئے۔“

ٹیپو سلطان اس وقت ملا بار میں نائروں کی بغاوت کو کچلنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

آخر 5 دسمبر 1782ء کو نواب حیدرعلی نے ٹیپو سلطان کے نام خط تحریر کرایا جس میں ولی عہد سلطنت کو ارکاٹ پہنچنے کی تاکید کی گئی تھی۔

4 دسمبر کو نواب حیدرعلی نے اپنی فوج کو ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دینے کا حکم جاری کیا۔

شام کے قریب نواب نے شجاعت خان سے پوچھا کہ آج کیا تاریخ ہے؟

”محرم کی چاندرات ہے۔“

شجاعت خان مسلسل رو رہا تھا۔

”تیری بچوں کی سی حرکتیں ابھی تک نہیں

گئیں۔" حیدر علی نے بڑی محبت سے شجاعت خان کے رخساروں پر ہاتھ پھیرا۔ کچھ دیر بعد غسل کے انتظامات کا حکم دیا۔

پھر غسل کر کے نماز ادا کی۔ رات بھر کلمہ طیبہ اور درود شریف کا ورد کرتا رہا۔

پھر صبح کی نماز ادا کی۔ کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ نواب حیدر علی بہت جلد ان سے بچھڑنے والا ہے۔

معمولی سا ناشتہ کیا، پھر چند سرداروں کو طلب کر کے دس ہزار فوج شمالی ارکاٹ پر اور پانچ ہزار فوج نواح ارکاٹ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی۔ پھر شجاعت خان سے کہا۔

"تو بھی رات بھر کا جاگا ہوا ہے، اس لئے آرام کر۔ میں بھی کچھ دیر آرام کروں گا۔"

شجاعت خان کمرے سے نکل کر جانے لگا تو روک کر کہا۔

"اہل وفا کا یہاں بہت قحط ہے کوئی بھی صورت ہو، ٹیپو کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ میرے بغیر وہ بالکل اکیلا رہ جائے گا۔"

شجاعت خان روتا ہوا کمرے سے نکل گیا مگر دروازے پر کھڑا رہا۔

کچھ دیر تک اندر سے درود شریف پڑھنے کی آوازیں آتی رہیں، پھر یکایک خاموشی چھاگئی۔

شجاعت خان گھبرا کر اندر داخل ہوا۔

والئی میسور خاموش تھا اور اس کے دونوں ہاتھ اس طرح بندھے ہوئے تھے جیسے وہ بستر پر لیٹے لیٹے نماز ادا کر رہا ہے۔

شجاعت خان کچھ دیر تک حیدر علی کے قریب کھڑا رہا۔

مگر جب والی میسور کے جسم اور ہونٹوں کو کوئی جنبش نہیں ہوئی تو شجاعت خان نے آواز دی۔

"نواب بہادر!" جواب میں کوئی آواز نہیں اُبھری۔ ساٹھ سال تک خونی موسموں سے لڑتے لڑتے گوشت پوست کی یہ چٹان ریزہ ریزہ ہو چکی تھی اور نواب حیدر علی خان بہادر اس طرح دنیا سے چلا گیا کہ سارے دوست غمگسار اور تیماردار دیکھتے ہی رہ گئے۔

شجاعت علی خان نے حیدر علی کو چھو کر دیکھا۔ جسم سرد ہو چکا تھا۔ والئی میسور کو آہستہ سے جھنجوڑا۔ شجاعت علی خان کا خیال تھا کہ کہیں بیماری کی شدت سے نواب بیہوش نہ ہو گیا ہو۔

میسور کے نائب سپہ سالار نے یہ عمل کئی بار دہرایا۔ پھر جب والئ میسور کے جسم کو جنبش نہ ہوئی تو شجاعت خان کے منہ سے دبی دبی چیخ نکلی اور اس نے شدید عالم اضطراب میں حیدر علی کے سینے پر سر رکھ دیا۔

"میرا باپ ......میرا سردار .....میرا آقا...."

پچاس سالہ شجاعت خان کسی بچے کی طرح سسک رہا تھا۔ کئی بار اس کا جی چاہا کہ وہ چیخیں

مار کر اپنے سینے کی آگ کو آنسوؤں کی بارش سے بجھا دے۔مگر شجاعت خان ایسا نہ کر سکا۔وہ جانتا تھا کہ اس وقت ریاست میسور نازک صورت سے دو چار ہے۔انگریز پائیں گھاٹ اور حیدر نگر پر قابض ہو چکے تھے۔اس کے علاوہ وہ جگہ جگہ بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں۔

ایسی سنگین فضا میں نواب حیدر علی کی موت کی خبر عام ہونے سے دشمنوں اور ریاست کے غداروں کو نئی زندگی مل جاتی۔

یہی وجہ تھی کہ شجاعت خان حیدر علی کے سینے پر سر رکھے بہت دیر تک سسکتا رہا۔پھر جب کسی حد تک اس کے دل کا غم ڈھل گیا تو وہ نواب کے خیمے سے باہر آیا مسلح محافظوں نے اسے دیکھ کر احتراماً سر جھکا لئے۔

"میرے قریب آؤ!" شجاعت خان کی تیزی سرگوشی ابھری۔

مسلح سپاہیوں نے چونک کر شجاعت خان کی سرخ آنکھوں اور بجھے ہوئے چہرے کو دیکھا پھر وہ جھجکتے ہوئے نائب سپہ سالار کے قریب آ گئے۔

"نواب بہادر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔"

شجاعت خان سرگوشیوں میں حیدر علی کے مسلح محافضوں سے مخاطب تھا۔

"نہ تمہارے ہونٹ کانپیں اور نہ آنکھوں سے کوئی آنسو ٹپکے۔

اگر کوئی اندر جانے کی اجازت مانگے تو اسے کہہ دینا کی نواب بہادر آرام فرما رہے ہیں۔میں ذرا سالار محمد علی کمیدان کے خیمے تک جا رہا ہوں۔"

نواب حیدر علی کے انتقال کی خبر سن کر محمد علی کمیدان سکتے میں آ گیا۔پھر شدید کرب ناک لہجے میں چیختے ہوئے بولا۔

"نواب بہادر اس طرح دبے پاؤں چلے گئے کہ ان کے جاں نثاروں کو خبر تک نہ ہو سکی۔رخصت کا یہ کون سا انداز ہے؟" آہنی اعصاب رکھنے والا محمد علی کسی مومی شمع کی طرح پگھل رہا تھا۔

"آہستہ بولیئے۔" شجاعت خان کا انداز گفتگو سرگوشیانہ تھا۔"آپ کے کاندھوں پر اس وقت بڑی ذمہ داری ہے۔اگر دشمنوں کو نواب بہادر کے انتقال کی خبر ہو گئی تو ریاست میں بڑا انتشار پھیل جائے گا۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟"

محمد علی کمیدان نے بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"آپ لشکر کی واپسی کا حکم جاری کریں۔" شجاعت خان نے تجویز پیش کی۔

"میں ایک برق رفتار قاصد کو شہزادے کے پاس ملابار بھیجتا ہوں۔نواب بہادر کے انتقال کی خبر اس وقت تک پوشیدہ رکھی جائے گی، جب تک ولی عہد سلطنت سرنگاپٹم نہیں پہنچ جاتے۔"

پھر ایسا ہی کیا گیا۔شجاعت خان کے حیدر علی

کے نام سے ٹیپو سلطان کو خط تحریر کیا کہ وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر دارالحکومت میں حاضر ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی تمام فوج کو ارا کاٹ سے سرنگا پٹم کی طرف کوچ کا حکم دے دیا گیا۔

چند راز داروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا کہ نواب حیدر علی دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ پورے لشکر میں مشہور کیا گیا کہ نواب حیدر کی طبیعت زیادہ ناساز ہے، اس لئے وہ علاج اور آرام کی غرض سے دارالحکومت تشریف لے جارہے ہیں۔

والی میسور کا جنازہ ایک رتھ میں تھا جس کے گرد سپہ سالار محمد علی کمیدان، شجاعت خان اور حیدر علی کے مخصوص محافظ دستے کے سپاہی جمع تھے۔ رتھ بڑی تیزی سے اپنا سفر طے کر رہا تھا۔

پھر جب حیدر علی کا جنازہ سرنگاہ پٹم پہنچا تو دار الحکومت میں کہرام برپا ہو گیا۔ ہزاروں مسلان اور ہندو چیختے ہوئے اپنے گھروں سے نکل آئے۔

حیدر علی کی والدہ مجیدہ بیگم، بیٹے کی لاش کے سرہانے بیٹھی تھیں اور بار بار والئی میسور کو مخاطب کر کے کہتی تھیں۔

"تو بہت فرمانبردار تھا۔ سرزمین ہند نے ایسے بیٹے بہت کم پیدا کئے ہوں گے۔ تو اپنے باپ کی طرح فرض شناس تھا۔ ریشمی بستر کے بجائے محاذ جنگ پر کام آیا۔

بے شک! تو بڑا جانباز تھا حیدر علی! کسی دشمن کی تلوار تو تیری گردن تک نہ پہنچ سکی مگر بے پروائی کے خنجر سے تو خود اپنی شہ رگ آہستہ آہستہ کاٹتا رہا۔"

پھر جب غمزدہ ماں کی حالت کچھ سنبھلی تو وہ نیم جاں بہو کی طرف متوجہ ہوئیں۔ شوہر کی موت کی خبر سن کر فاطمہ بیگم کو سکتہ ہو گیا تھا۔ ملکئہ میسور کی یہ حالت بہت دیر تک جاری رہی۔ خدشہ تھا کہ کہیں وہ اپنا ذہنی توازن نہ کھو بیٹھیں۔ حرم سرا کی دوسری خواتین نے انہیں والئی میسور کی زندگی کی بہت سی باتیں یاد دلائیں۔ آخر فاطمہ بیگم کی اس خوف ناک حالت میں تبدیلی آئی۔

پھر وہ "نواب بہادر!" کہہ کر شوہر کی لاش سے لپٹ گئیں۔

پھر اسی روز آہوں، سسکیوں اور چیخوں کے شور میں نواب حیدر علی کو گنبد میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

ٹیپو سلطان کے سرنگام پٹم پہنچنے میں ابھی دیر تھی، اس لئے شہزادہ کریم شاہ کو امور سلطنت کا نگراں مقرر کر دیا گیا۔

☆......☆......☆



بری لت



قانتہ رابعہ

صبح بستر سے اٹھنے سے پہلے ہی رافع کی طبیعت سست سست تھی۔ ناشتہ بھی بددلی سے کیا اور اسکول جانے سے پہلے دس دفعہ دل چاہا کہ کاش آج اسکول نہ جانا پڑے۔

جب اس خواہش کی اظہار گھر والوں کے سامنے کیا تو سب حیرانی سے اس کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔

”طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“

ثمن آپا نے پوچھا۔

”ضرور ٹھنڈ لگ گئی ہو گی رات میں۔“

امی نے تبصرہ کیا۔

چونکہ امتحانات بہت قریب تھے اور رافع شروع ہی سے پوزیشن حاصل کرنے والوں میں شامل رہا تھا لہٰذا اس فرمائش کو پورا کرنا بھی ممکن نہ تھا۔

”رافع نے سارا دن اسکول میں آج کیسے گزارا ہو گا؟“

یہ سوال گھر کے تمام افراد کے ذہن میں آیا۔ یہاں تک کہ رکشا رکنے کی آواز آئی اور رافع میاں مردہ چال چلتے گھر پہنچے۔

اسکول بیگ صوفے پر پٹخا اور جوتے ایک طرف پھینکے۔

”میں کل اسکول نہیں جاؤں گا۔“

یہ اعلان انہوں نے گزشتہ پانچ چھ سالوں میں ایک دفعہ بھی نہیں کیا تھا۔ یقینی طور پر اس خبر نما اعلان کے سنتے ہی تمام افراد کے کان کھڑے ہو گئے۔

”کیا ہو گیا ہے رافع! طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”آج کسی سے لڑائی جھگڑا تو نہیں ہوا؟“

رنگ برنگے تبصرے تھے۔ سنی ان سنی کرتے ہوئے رافع نے کمبل اوپر تان لیا اور کسی کو کوئی جواب نہ دیا۔ ثمن آپی آگے بڑھیں۔ وہ کیا سب گھر والے جانتے تھے کہ رافع انتہائی ذمہ دار، سنجیدہ اور صلح جو بچہ ہے، یہاں مسئلہ کچھ اور ہے۔

ثمن آپی نے رافع کے منہ سے کمبل ہٹایا اور اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

”کہیں بخار تو نہیں ہے میرے بھیا کو۔“

رافع گم صم لیٹا رہا۔

''پیٹ میں یا سر میں درد تو نہیں ہے؟'' امی نے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''سر میں درد ہے نہ پیٹ میں، پھر بھی طبیعت خراب ہے۔'' رافع نے آہستہ سے کہا۔

''رات کیا کھایا تھا؟'' ہر شخص جو سوال پوچھنا فرض عین سمجھتا ہے، وہ یہی ہوتا ہے۔

''رات صرف چائے رس لیے تھے۔'' رافع نے بددلی سے بتایا۔

''کہیں گرے تو نہیں جس کی وجہ سے چوٹ لگی ہو؟'' ثمن آپی نے رائے ظاہر کی۔

''نہیں، میں تو کئی روز سے کہیں کھیلنے ہی نہیں گیا'' رافع نے جواب دیا۔

''پھر لازمی بات ہے تمہیں نظر لگ گئی ہے۔'' امی نے فکرمندی سے کہا۔

اور اس کی طرف منہ کر کے آیات پڑھ کے پھونک ماری۔ قرآنی آیات کے دم سے اتنا فائدہ ہوا کہ وہ کمبل پرے پھینک کر بستر سے نیچے اتر آیا۔

امی نے کچھ تسلی سے، کچھ فاتحانہ انداز سے سب کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں:

''دیکھا میرے دم کا کمال!!''

کھانا کھانے کے بعد رافع نے اسکول بیگ نکالا۔ بیس پچیس منٹ میں سر حفیظ ٹیوشن کے لیے آنے والے تھے اور اس نے ابھی تک ہوم ورک نہیں کیا تھا۔

جوں ہی اسکول بیگ کھولا، کاپی پر قلم سے لکھنا شروع کیا پھر وہی مسئلہ۔ ڈھیٹ بن کر دو چار منٹ تک تو اس نے کام کیا، مگر پھر وہی تکلیف۔

''امی۔۔۔۔۔ امی۔۔۔۔۔ ادھر آئیں؟''

''کیا ہوا رافع؟'' ثمن آپی نے پوچھا۔

''میں ہوم ورک کرتا ہوں یا کچھ پڑھنے لگتا ہوں تو میری گردن کے پچھلے حصہ میں درد شروع ہو جاتا ہے۔'' امی نے تشویش سے ان کی گردن پر رکھتے ہوئے پوچھا:

''یہاں۔۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔۔''

رافع درد سے کراہتا رہا۔ یہاں تک کہ امی کی انگلیاں دائیں بازو کے اوپر گدی تک جا پہنچیں۔

''ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ یہیں۔۔۔ ہائے امی!'' وہ درد کی جگہ پر اچانک امی کی انگلیوں سے دبنے پر چیخا۔

امی نے زیتون کے تیل کی مالش کی۔ درد میں خاص فرق نہ پڑا تو امی نے درد دور کرنے والی دوا دی۔ گرم دودھ، انڈا ابال کر دیا اور کمبل اوڑھا کر لٹا دیا۔

سر حفیظ ٹیوشن پڑھانے کے لیے آئے اور واپس چلے گئے۔ جاتے وقت انہوں نے حیرانی سے سوچا:

''پہلے تو کبھی رافع نے ایسا بہانا نہیں کیا۔''

علی الصبح رافع اٹھا۔ نماز ادا کی اور ہوم ورک مکمل کرنے بیٹھا۔ کمرے میں ہیٹر جل رہا تھا اور کمرہ

قدرے گرم تھا۔

اللہ کا شکر ہے اب درد اتنا زیادہ نہیں ہے۔

امی بھی فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد گرم دودھ لے کر اس کے پاس آ گئیں اور باآواز بلند کہنے لگیں:

''اسکول جاتے ہوئے مفلر لپیٹ لینا، گردن کے ارد گرد ٹھنڈ بھی بے دھیانی میں اپنا اثر دکھا جاتی ہے۔''

اس کا ہوم ورک بدقت پورا ہوا۔

''ہاتھ کے انگوٹھے میں بھی درد ہو رہا ہے امی! پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟'' اسکول رکشا آنے پر بیگ اٹھاتے اٹھاتے رافع نے امی کو بتایا۔

''اللہ کرم کرے۔ ایک دو دن سے نئی سے نئی تکلیف بتاتا ہے۔ اسکول سے واپسی پر ڈاکٹر عارفہ کے پاس لے جاؤں گی۔ ان شاء اللہ۔'' امی نے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

اسکول سے واپسی پر آج وہی پرانا سین دہرایا گیا۔

میری کمر میں درد ہے، انگوٹھوں میں درد ہے، لکھنے کے لیے قلم پکڑا تو لکھا ہی نہیں گیا، قلم نیچے گر پڑا، استانی نے بھی بہت ڈانٹا، سیٹ پر بیٹھ کر صحیح طریقے سے نہیں لکھا گیا اور اس طرح کی مزید شکایات رافع کی زبان پر تھیں۔

امی نے ابو کا بھی انتظار نہ کیا اور رافع کو لے کر ڈاکٹر عارفہ کے کلینک جا پہنچیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ! ذرا رافع کو تو چیک کریں، کبھی ہاتھ کے انگوٹھے میں درد کا کہتا ہے، کبھی۔۔۔۔۔''

''مریض خود اپنا مرض بتائے گا''

''بتاؤ رافع بیٹا! درد کب سے ہے؟'' انہوں نے رافع کے سینے پر اسٹیتھو اسکوپ لگایا۔

''زبان نکالو!''

آنکھیں پوری اوپر نیچے کر کے دیکھیں۔

ناخن کو زور سے دبایا۔

''بھوک کیسی لگتی ہے؟ درد پہلے تو کبھی نہیں ہوا؟'' آخری سوال انہوں نے تھرمامیٹر ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی! دو تین دن سے محسوس ہو رہا ہے۔ پہلے تو کبھی درد نہیں ہوا تھا۔'' رافع نے بتایا۔

''باجی! میری بات دھیان سے سنیں!''

ڈاکٹر عارفہ نے اب رافع کی امی کو مخاطب کیا۔ دور پار کے رشتے سے رافع کی امی ڈاکٹر عارفہ کی باجی بھی لگتی تھیں اور بھابھی بھی۔

''رافع کو نہ تو بخار ہے نہ کوئی جگر معدہ کی تکلیف۔''

''ڈاکٹر صاحبہ! پھر کیا ہے؟'' اس کی امی نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ان کو کوئی اور بیماری ہے۔'' بڑے مطمئن انداز میں انہوں نے کہا۔

رافع ہکا بکا ان کا منہ دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے کہا، اللہ کا شکر ہے کہ رافع ہر طرح سے فٹ اور صحت

مند ہے، بس ان کی جو بیماری ہے وہ خود ساختہ ہے، اگر چاہیں تو ابھی پانچ منٹ میں نجات پا سکتے ہیں۔

’’وہ کیسے؟‘‘ امی بے یقینی سے بولیں۔

’’وہ ایسے کہ رافع میاں کے ہاتھ اور خاص طور پر ہاتھوں کے انگوٹھے مسلسل موبائل فون پر گیم کھیلنے اور میسجنگ کرنے سے درد کر رہے ہیں اور نظروں کا مرکز چونکہ وہ اونچی اسکرین ہوتی ہے، لہٰذا مسلسل ایک ہی سمت دیکھتے رہنے سے اعصابی تکلیف بھی ہوگئی ہے۔ مجھے اس لیے اس کا علم ہے کہ سعد میرا بیٹا اس کا ہم جماعت اور دوست ہے۔ جب اس کے پاس جاؤ، وہ طرح طرح کے میسج سناتا ہے اور خوش ہو کر کہتا ہے:

’’ممی! رافع نے کیا اچھا میسج بھیجا ہے۔‘‘

اب آپ خود سوچیں بچوں کی کچی، نا پختہ ہڈیاں جب مسلسل کئی کئی گھنٹے حرکت میں رہیں گی تو یہ اثراتِ بد تو لازماً ظاہر ہوں گے۔

قلم پکڑنے کے لیے تو ماہرین نفسیات چھ سات سال کی عمر کو بہتر سمجھتے ہیں اور اس کے لیے یہ زیادتی نہیں؟ انھوں نے اپنے موبائل فون کی طرف اشارہ کیا۔

’’اور انگوٹھے یا اعصاب ہی نہیں، اس کی خطرناک شعاعیں کانوں اور دماغ کے لیے جتنی نقصان دہ ہیں وہ لوگ ہی جانتے ہیں۔

ایک ضرورت کی چیز کو جب سامان تعیش بنا کر اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا جائے تو پھر دس سال کی عمر میں لاٹھی پکڑ کر چلنے کی نوبت آ ہی سکتی ہے۔‘‘

’’توبہ، توبہ۔۔۔۔۔‘‘ خوف سے رافع نے جھر جھری لی۔ وہ آنکھوں پر موٹا چشمہ اور ہاتھ میں لاٹھی کا تصور کر کے پریشان ہوگیا۔

اس کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر ڈاکٹر صاحبہ نے آخری ضرب لگائی:

’’یہ اشیا صرف ضرورت کے لیے استعمال کرو تاکہ ذہن استعمال ہو۔ اگر بلا ناغہ کئی کئی گھنٹے استعمال کرو گے، کبھی گیم کھیلنے کے لیے، کبھی میسجنگ کے لیے تو یاد رکھو اپنی دیکھنے، سننے، پکڑنے کی صلاحیتیں ابھی سے گنوا بیٹھو گے۔ بولو منظور ہے؟‘‘

رافع نے تیزی سے انکار میں سر ہلا دیا۔ خوش ہو کر ڈاکٹر صاحبہ نے اس کی کمر پر تھپکی دی۔

’’شاباش میرا جوان! کمپیوٹر اور اس قسم کی ہر سائنسی ایجاد کے لیے یہی فارمولا یاد رکھنا تاکہ لوگ تمھاری مثال دیں اور اپنے بچوں کو یہ سمجھائیں کہ۔۔۔ یہ ہے وہ بچہ جس پر موبائل اور نیٹ کا جادو بھی اثر نہ کر سکا۔‘‘

☆......☆......☆



تلقین

محمد ذیشان فرخ



مغرب کی اذان کا وقت ہونے والا تھا۔ حامد نے کرکٹ کھیلتے کھیلتے گھڑی دیکھی اور ساتھیوں سے کہا:

"یارو! مغرب کا وقت ہو گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ کل وہیں سے کھیلیں گے جہاں سے چھوڑا ہے"

حامد کا معمول ایسا ہی تھا۔ وہ محلے کے لڑکوں کے ساتھ عصر کے بعد مغرب تک کرکٹ وغیرہ کھیلتا تھا اور اس کے بعد مغرب کی نماز کے لیے مسجد چلا جاتا تھا جہاں اس کے ابو جمشید صاحب اس کا انتظار کر رہے ہوتے تھے۔ واپسی میں وہ اپنے ابو کے ساتھ گھر واپس آتا تھا۔

حامد کی بات سن کر لڑکوں نے کھیل روک دیا۔ ان کو معلوم تھا کہ جب نماز کی بات آجائے تو حامد ہر کام پر صرف نماز کو ترجیح دیتا ہے۔

حامد کے ساتھ وہ لوگ بھی کھیل چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے۔ آج بھی سارے لڑکے ایک دوسرے کو کل ملنے کا کہہ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ساجد، حامد کے گھر کے قریب ہی رہتا تھا۔ وہ حامد کا گہرا دوست بھی تھا اور وہ ایک ہی اسکول میں بھی پڑھتے تھے۔ حامد اور ساجد باتیں کرتے ہوئے مسجد تک آتے۔ مسجد ان کے گھر کے راستے میں تھی۔ ساجد یہاں سے اپنے گھر چلا جاتا اور حامد مسجد میں چلا جاتا۔

حامد ساتویں جماعت کا طالب علم تھا اور اپنے اسکول کے لائق طالب علموں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ اپنے والدین کا بے انتہا فرماں بردار بچہ تھا۔ والدین نے بھی اس کی دینی اور دنیوی تربیت بہترین خطوط پر کی تھی۔ اس کے والدین کی تربیت ہی کا ثمر تھا کہ وہ پانچ وقت کا باجماعت نمازی تھا۔ فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت بھی اس کا معمول تھا۔

آج بھی مسجد کے دروازے پر اس کے ابو کھڑے اس کی راہ تک رہے تھے۔

"السلام علیکم ابو!"

حامد نے جمشید صاحب کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا!" جمشید صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کے سلام کا جواب دیا۔ مغرب کی نماز کے بعد گھر آتے ہوئے جمشید صاحب نے حامد سے پوچھا:

"بیٹا! آپ کے دوست نماز میں نظر نہیں آتے۔ کیا وہ نماز نہیں پڑھتے؟ اور وہ آپ کا دوست ساجد بھی مسجد کے باہر سے ہی چلا جاتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی اسے مسجد میں آنے کا نہیں کہا؟" جمشید صاحب کی بات پر حامد نے سوچا کہ اس نے تو کبھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں کہ ساجد اور دوسرے لڑکے نماز پڑھتے ہیں یا نہیں اور نہ ہی اس بارے میں کسی کو کہا۔

"نہیں ابو! لڑکے تو اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔ ساجد بھی مسجد تک میرے ساتھ آتا ہے لیکن پھر اپنے گھر چلا جاتا ہے۔

ابو! میں نے کبھی ان کو نماز پڑھنے کا نہیں کہا۔ ان سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ نماز پڑھنا کتنا ضروری ہے۔ اس کے باوجود وہ نماز نہیں پڑھتے تو ان کو گناہ ہوگا، میرا اس میں کیا نقصان؟ میں ان کو کہوں گا تو وہ کہیں گے کہ تم اپنا کام کرو۔ تم کون ہوتے ہو ہمیں اچھا برا سکھانے والے۔" حامد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

جمشید صاحب مسکرائے اور کہنے لگے:

"بیٹا! اس موضوع پر عشاء کی نماز اور کھانے کے بعد بات کرتے ہیں۔"

گھر آ کر حامد ہوم ورک کرنے میں مصروف ہو گیا۔ جمشید صاحب نے حامد کے ہوم ورک میں اس کی مدد کی۔ حامد کو ہوم ورک وہی کرواتے تھے۔ عشاء کی نماز وقت ہو گیا۔ عشاء کی نماز کے بعد دونوں گھر آئے تو حامد کی امی کھانا تیار کر کے میز پر لگا چکی تھیں۔ کھانے کے بعد جمشید صاحب حامد سے مخاطب ہوئے:

"بیٹا! آپ جانتے ہو کہ مسلمان کون ہوتا ہے اور اس کا کام کیا ہے؟"

"ابو! جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے وہ مسلمان ہے اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ دین اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے۔" حامد نے جمشید صاحب کے سوال کا جواب دیا۔

"بیٹا! آپ نے بالکل درست جواب دیا لیکن میں آپ سے اب ایک دوسرا سوال پوچھتا ہوں کہ کیا ایک مسلمان کا صرف ایک یہی فرض ہے کہ وہ صرف خود ہی اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو؟"

"ابو! آپ مجھے پوری بات اچھی طرح سمجھائیں۔" حامد نے ابو سے کہا۔

جمشید صاحب نے مسکراتے ہوئے حامد کو سمجھایا:

"میرے پیارے بیٹے! جب آپ نے یہ کہا

کہ مسلمان وہ ہے جو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے تو اس کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ایک مسلمان اسلام کی تعلیمات پر صرف خود ہی عمل کرتا رہے اور دوسروں کو اس کی ترغیب اور تلقین نہ کرے۔ ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ خود بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی عمل کی دعوت دے۔

بیٹا! قرآن کریم میں سورہ العصر میں اللہ پاک نے انسان کی کامیابی کا اصول واضح فرمایا ہے کہ کامیاب انسان وہی ہے جو اللہ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی تعلیمات پر دل سے ایمان لائے اور ان کو دل سے تسلیم کرے لیکن صرف ایمان لانا کافی نہیں بلکہ ایمان کے بعد دین اسلام کی تعلیمات پر مکمل عمل کرے لیکن ایمان اور عمل بھی کافی نہیں بلکہ ایمان اور عمل کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک اعمال کی طرف دعوت دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کی کامیابی کے لیے صرف خود ہی نیک اعمال کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی نیک اعمال کی تلقین اس مسلمان کی اپنی فلاح اور کامیابی کے لیے لازمی ہے۔ اس لیے صرف اس بات کو کافی نہ سمجھنا چاہیے کہ میں ٹھیک کر رہا ہوں اور دوسرے لوگوں کا میں ذمہ دار نہیں۔ دوسرے لوگوں کو بھی ہمیں نیک اعمال کی تلقین ضروری ہے لیکن ہماری تلقین کے باوجود اگر وہ عمل نہیں کرتے تو پھر ہم ذمہ دار نہیں۔ اب آپ سمجھ گئے؟''

ابو کی بات حامد نے اچھی طرح سنی اور کہا:

''ابو! میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ انسان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ خود بھی نیک اعمال کرے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے اور دوسروں کو تلقین اس کی ذمہ داری ہے۔

ابو! میں آئندہ خود بھی نیک اعمال کروں گا اور اپنی بساط کے مطابق دوسروں کو بھی اس کی تلقین کروں گا۔''

حامد کی بات سن کر ابو نے حامد کو گلے سے لگا لیا۔ دوسرے دن جمشید صاحب معمول کے مطابق حامد کا مغرب کی نماز کے وقت مسجد میں انتظار کر رہے تھے۔

جماعت کا اعلان ہونے ہی والا تھا کہ جمشید صاحب کیا دیکھتے ہیں کہ حامد چلا آرہا ہے اور اس کے ساتھ ساجد کے علاوہ دوسرے دوست بھی مسجد میں داخل ہو رہے ہیں۔

حامد سب دوستوں کو کھیل کے بعد مسجد لے آیا تھا۔ حامد نے اپنے ابو کو دیکھا اور مسکرایا۔

جمشید صاحب بھی اپنے بیٹے کو دیکھ کر مسکرائے۔ ان کو فخر تھا کہ میرا بیٹا تلقین کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

☆......☆......☆



یہ میرا قصہ ہے۔ جب میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔ آج میں چالیس برس ہو چکا ہوں لیکن میری ساری زندگی اس ایک واقعے کے گرد گھومتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ میری عام زندگی رواں دواں تھی جیسا کہ سب بچوں کی ہوتی ہے مگر میں نے جلد ہی بُرے ساتھیوں کی صحبت اختیار کر لی اور سگریٹ پینا شروع کر دیا، اسٹائل کے ساتھ سگریٹ کے کش لینا میری عادت تھی، والد محترم کو کسی نے میری اس بری عادت کے بارے میں اطلاع دے دی۔ ماں باپ کیلئے بہرحال یہ ایک تکلیف دہ بات ہے کہ ان کی اولاد سگریٹ نوشی کرے یا اس طرح کی دیگر بری عادتوں میں مبتلا ہو، چنانچہ میرے والد فوراً میرے پاس تشریف لائے اور غصے میں پوچھا، میں نے سنا ہے کہ تم سگریٹ پینے لگے ہو، کیا یہ بات سچ ہے؟ ”نہیں نہیں، آپ کو یہ جھوٹی خبر کس نے سنا دی؟ میں نے کبھی سگریٹ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔“

مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ میں اپنے والد کے سامنے جھوٹ بول رہا ہوں، میرے اندر خوف الٰہی کی کمی تھی۔ میں جان بوجھ کر جھوٹ بول گیا۔

”کیا تم سچ بول رہے ہو کہ واقعی تم سگریٹ نہیں پیتے اور مجھے تمہارے بارے میں جو رپورٹ پہنچی ہے وہ غلط ہے؟“ والد نے پوچھا۔

”میں بار بار آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میں سگریٹ نہیں پیتا، نہیں پیتا، نہیں پیتا پھر بھی آپ مجھ سے یہی سوال کئے جا رہے ہیں، آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟“ میں نے باآوازِ بلند انہیں ڈانٹ دیا اور کہا کہ میرے کمرے سے نکل جائیے۔

میرے والد نے میرے کمرے سے نکلتے ہوئے بڑے درد سے کہا۔

”اگر تم سگریٹ پیتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردن توڑ دے“ یہ میرے والد کی میرے لئے ایک قسم کی بددعا تھی۔ میں نے ان کی بددعا کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ میرے لئے یہ گفتگو ایسی ہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

میں نے اپنے والد کو اپنی چرب زبانی اور جھوٹے جواب سے قائل کرنے کی کوشش تو

کی، بلکہ انہیں ڈانٹ دیا۔مگر میرے والد کو سو فیصد یقین تھا کہ میں سگریٹ پیتا ہوں، یہی وجہ تھی کہ وہ ناراض ہو کر اور مجھے بد دعا دے کر میرے کمرے سے چلے گئے۔

شام ہوئی میں آیا۔کھا پی کر سو گیا۔صبح ہوئی۔ ہاتھ منہ دھو کر میں اسکول روانہ ہو گیا۔اسکول سے واپسی پر میں نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ سوئمنگ پول کا رخ کیا۔ہمارا معمول تھا کہ ہم چند دوست ہمیشہ سیر و تفریح کی غرض سے سوئمنگ پول پہنچ جاتے تھے، چنانچہ اس مرتبہ بھی ہم سوئمنگ پول جا پہنچے۔میں سوئمنگ میں بہت تیز تھا، دس دس منٹ تک ڈبکی لگائے رکھتا تھا۔جب ہم سب ساتھی سوئمنگ پول کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ پانی کا نل بند ہے۔ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ واپس چلتے ہیں۔مگر میں نے کہا کہ چلنے کی ضرورت نہیں، میں نل کھولتا ہوں، نل سوئمنگ پول کے نچلے حصے میں تھا۔سوئمنگ پول کی گہرائی کوئی تین ساڑھے تین میٹر تھی، جبکہ میرا قد ایک میٹر اور بیاسی سینٹی میٹر تھا، میں نے ایک کرسی کی مدد سے اندر جانے کی کوشش کی۔میں نے سوئمنگ پول کے اندر داخل ہو کر نل کھولنے کیلئے ابھی ڈبکی ہی لگائی تھی کہ میں یکا یک کرسی کے نیچے ہی دب کر رہ گیا۔ میرے ساتھی یہ سمجھتے رہے کہ میں چونکہ دیر تک پانی کے اندر ڈبکی لگائے رکھنے کا عادی ہوں، اس لئے میرے اوپر نہ آنے سے انہیں کوئی تشویش نہیں ہوئی۔میں نے لاکھ کوشش کی کہ میں پانی کے اوپر آجاؤں مگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کچھ اور ہی مقدر کر رکھا تھا۔میں نے پانی کے اندر جسم کو حرکت دینے کی لاکھ کوشش کی مگر جسم نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا، پھر جب میں پانی کے اوپر آیا تو میرے جسم کا نچلا حصہ فالج زدہ ہو چکا تھا۔

سوئمنگ پول کے اندر جب میں پانی میں ڈوبا ہوا تھا تو مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اب میں زندگی کے آخری مرحلے میں ہوں اور میرا جنازہ آج ہی اٹھایا جائے گا مجھے اس وقت یاد آیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق مصیبت کی گھڑی میں اپنے نیک اعمال کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگی جائیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔میں نے بھی جلدی جلدی اپنے ایک نیک عمل کے حوالے سے دعائیں مانگنی شروع کیں۔وہ نیک عمل یہ تھا کہ میں ایک زمانے میں اپنی آمدنی سے کچھ حصہ ایک ضرورت مند بڑھیا کو دے دیا کرتا تھا۔وہ بڑھیا میرے حق میں دعائے خیر کیا کرتی تھی۔میں جب بھی اس کو صدقہ دیتا اس کے دونوں ہاتھ میرے لئے آسمان کی طرف بلند ہو جاتے۔اللہ تعالیٰ نے اسی دوران پانی کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی طرف بھی میری رہنمائی فرمائی

”دنیا میں جس کا آخری جملہ ”لا الہ الا اللہ“ ہو گا،

وہ جنت میں داخل ہوگا۔‘‘

چنانچہ میں نے کلمہ شہادت کا وِرد شروع کر دیا۔ اس دوران میرے پیٹ میں بہت سارا پانی چلا گیا، اب مجھ پر بے ہوشی طاری ہو چکی تھی۔ میرے بھائی کا بیان ہے کہ تقریباً پندرہ منٹ بعد مجھے سوئمنگ پول سے باہر نکالا گیا۔ اگر اس طویل وقفہ کو دیکھیں تو میں ایک مردہ انسان تھا۔

میرے بھائی کا بیان ہے کہ سوئمنگ پول سے نکالنے کے بعد مجھے اوپر نیچے کیا گیا۔ میرے پیٹ پر ہاتھ رکھ رکھ کر دبایا گیا تو میرے منہ سے کئی لیٹر پانی نکلا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں ہسپتال میں زیرعلاج تھا۔ چار سال تک میں ہسپتال میں رہا۔ ہسپتال میں میرا جو پہلا علاج ہوا وہ میرے حلق میں سوراخ کے سلسلے میں تھا، مجھے سانس لینے میں بڑی تکلیف ہو رہی تھی۔ تقریباً نو ماہ تک میں نے کوئی کلام نہیں کیا، کیونکہ سانس کی ہوا حلق کے راستے نکل جاتی تھی، آکسیجن کا بھی بڑا مسئلہ تھا۔ کم و بیش سولہ چھوٹے بڑے آپریشن میرے جسم کے ہوئے۔ میری پشت کا سارا حصہ ناکارہ ہو چکا تھا۔ دس بارہ برس تک میری کمر کا علاج چلتا رہا۔

آج مجھے آپ ایک فالج زدہ انسان کی صورت دیکھ رہے ہیں۔ اس کا سبب میں خود ہوں۔ میں نے جوانی میں اپنے باپ کی نصیحت کی کوئی پروا نہیں کی۔ غفلت کی زندگی گزاری۔ جھوٹی قسم کا سہارا لیا اور برے ساتھیوں کی صحبت میں رہا، چنانچہ اس کا انجام بد اس صورت میں سامنے آیا کہ میں جوانی کے خوشگوار ایام سے محروم رہا۔ آج میں آپ کے سامنے ایک اپاہج کی حیثیت سے بستر پر پڑا ہوں۔

یہ سب ہونے کے بعد میں نے اللہ کے حضور سچی توبہ کی۔ اللہ کے ہاں توبہ قبول ہوئی یا نہیں مجھے نہیں معلوم لیکن میں نے اپنی بقیہ زندگی کا ایک مشن بنالیا۔ میں نے اپنے جیسے نوجوانوں کو سیدھے راستے پر لانے کا ایک مشن بنالیا تاکہ وہ لوگ میری طرح اپنی زندگی غفلت میں نہ پڑے رہیں۔

میں اپنی ماں کے حوالے سے بھی چند باتیں آپ کے گوش گزار کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔ مجھے آج اس بات کا شدید احساس ہے کہ ہماری نئی نسل اپنے ماں باپ کی خدمت میں پیچھے کیوں ہے؟ ہم نے آخر اپنے والدین کو کیا دیا ہے؟ جبکہ انہوں نے ہماری پرورش و پرداخت کی، ہمیں عدم سے وجود میں لانے کا وہی سبب بنے۔

قارئین کرام! یہ تھا یمن کے اس نوجوان کا قصہ جو آج پچھلے سال شعبان میں وفات پا گیا۔ عبداللہ بانعمہ نامی یہ نوجوان بعد میں ایک کامیاب داعی بنا۔ دنیا کے مختلف معروف چینلز پر اس کے پروگرام نشر ہوئے۔ ہزاروں نوجوان تائب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جگہ ایک آدمی رہتا تھا۔اس کا نام ابن آدم تھا۔اس کے تین دوست تھے۔پہلے دوست کا نام ''میم''، دوسرے کا نام ''رے'' اور تیسرے کا نام ''عین'' تھا۔وہ اپنے دوست میم اور رے کا بہت خیال رکھتا تھا جب کہ عین کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرتا تھا۔ایک دفعہ وہ شخص بیمار پڑ گیا۔اس کی طبیعت بے حد خراب ہوگئی۔اسے لگ رہا تھا کہ وہ اب بچ نہیں پائے گا۔اس نے اپنے دوستوں کو بلایا۔تینوں اس کے بلانے پر دوڑے آئے۔بیمار شخص نے ان سے بات چیت شروع کر دی۔اس نے پہلے دوست میم سے کہا:

''دوست! میں سخت بیمار ہوں،لگتا ہے کہ میں بچ نہیں پاؤں گا۔اس مشکل وقت میں تم میری کیا مدد کرو گے؟''

پہلا دوست بولا:

''میں اگرچہ تمہارا دوست ہوں لیکن میں تمہاری زیادہ مدد نہیں کرسکتا،میرے پاس جو چیزیں ہیں،ان کو لے جاؤ اور اپنی مدد کرو،اپنا علاج کراؤ۔اس کے علاوہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا۔''

بیمار شخص نے دوسرے دوست سے کہا:

''دوست! تم میرے حالات دیکھ رہے ہو،اس بیماری میں تم میری کیا مدد کرو گے؟''

دوسرے دوست نے جواب دیا:

''یہ موت اللہ کا حکم ہے۔یہ حکم ٹلنے والا نہیں ہے۔موت کا ذائقہ ہر ایک نے چکھنا ہے،اس وقت میں صرف یہ مدد کرسکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ رہوں اور جب تم اللہ کے حضور چلے جاؤ گے تو تمہارا کفن دفن بھی کروں گا لیکن جب تم اپنے قبر والے مکان میں سو جاؤ گے تو اس کے بعد میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔''

بیمار شخص نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر تیسرے دوست کی طرف متوجہ ہوا:

''میرے دوست! اگرچہ میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا لیکن پھر بھی تم میرے دوست ہو۔تمہارا شکریہ کہ تم

میرے بلانے پر مجھے دیکھنے آگئے۔اب اس برے وقت میں تم کیا کہتے ہو؟''

تیسرا دوست بولا:

''میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گا۔اس دنیا میں جب تک تم زندہ سلامت ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں اور جب تم اس دنیا سے چلے جاؤ گے تو بھی میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

میں قبر میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا اور آخرت کے میدان میں بھی تم پر سایہ کروں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا۔''

بیمار شخص نے تینوں دوستوں کی طرف دیکھا اور پھر دل میں سوچنے لگا:

''میں نے سب سے زیادہ پیار اپنے پہلے دوست سے کیا۔میرے اس دوست کا نام ہے میم سے ''مال''۔میں نے مال و دولت سے بہت پیار کیا، اس کو کمانے کے لیے بہت محنت کی لیکن اس برے وقت میں وہ میرا ساتھ نہ دے سکا بلکہ صرف دنیاوی سانسوں تک ہی میرے ساتھ رہا۔میرا دوسرا دوست ہے رے سے ''رشتے دار''۔میں نے ان کی خاطر بہت دکھ برداشت کیے۔ان کی خاطر بہت سارے لوگوں سے لڑا مگر اس نے بھی میرا پورا ساتھ نہ دیا بلکہ صرف میرے کفن دفن تک میرے ساتھ رہا۔

میرا تیسرا دوست جس کا نام ہے عین سے ''عمل''۔میں نے اس دوست کے ساتھ برا سلوک کیا۔کئی مواقع پر میں نے اسے دھتکارا۔میں نے اس کی خاطر تواضع نہیں کی۔اکثر اسے بھوکا پیاسا رکھا۔میرا یہ دوست اگرچہ کافی کمزور ہے لیکن پھر بھی اس نے میری بہت مدد کی اور میرا بھرپور ساتھ دیا۔اس نے قبر کے اندھیروں میں میرا ساتھ دیا۔اس نے مجھے قبر کے عذاب سے بچایا۔اس نے مجھے حشر کے عذاب سے بچایا۔یقینا میرا یہ دوست بہت اچھا ہے۔''

یہ سوچ کر اس بیمار شخص نے آنکھیں بند کرلیں اور پھر وفات پا گیا۔

پیارے بچو! ابھی آپ نے ایک مثال پڑھی ہے۔یہ مثال ہم سب کے لیے ہے۔ہماری زندگی میں ہمارے دوست یہی تین ہیں۔

۱۔مال و دولت

۲۔رشتے دار

۳۔نیک اعمال

ہم اپنے ان تین دوستوں میں سے پہلے دو دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں جب کہ تیسرے کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہیں۔حالاں کہ ہمارا سب سے زیادہ مخلص دوست یہی تیسرا ہے۔تو آج سے ایک عہد کیجیے کہ نیک اعمال کو مضبوط سے مضبوط کیجیے۔کیا خیال ہے پھر۔۔۔؟

(ماخوذ از حدیث بخاری)

☆......☆......☆

بقیہ عید الفطر

عید الفطر کی سنّتیں

کُتبِ احادیث میں عید کے دِن کی متعدّد سنتیں مرکوز ہیں۔

(1) صبح سویرے اُٹھنا: صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ وہ نمازِ فجر کے وقت ہی نمازِ عید کی تیاری کر لیتے تھے۔حضرت ابن عُمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مسجدِ نبوی میں فجر کی نماز پڑھتے اور پھر اسی حال میں عید گاہ کی طرف نکل پڑتے۔

(2) غسل کرنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ تعالی نے اِس دن کو مسلمانوں کے لیے عید کا دن بنایا ہے، لہٰذا تم اِس دن غسل کرو۔''

(3) مسواک کرنا۔

(4) نئے یا جو بہتر کپڑے موجود ہوں، پہننا: حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ ''ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم اپنی حیثیت کے مطابق اچھا لباس پہنیں۔'' (طبرانی)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کے دن خُوب صورت اور عمدہ لباس زیبِ تن فرماتے۔کبھی سبز و سُرخ دھاری دار چادر اوڑھتے، جو یمن کی ہوتی جسے ''بُرد یمانی'' کہا جاتا ہے۔ (مدارج النبوۃ)

(5) خوش بُو لگانا۔

(6) شریعت کے مطابق اپنی آرائش کرنا۔

(7) عید گاہ جلد پہنچنا۔

(8) عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز ضرور کھانا۔

(9) عید گاہ جانے سے پہلے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا۔

(10) عید کی نماز (مسجد کی بجائے) عید گاہ یا کُھلے میدان میں پڑھنا۔

(11) ایک راستے سے عید گاہ جانا اور دوسرے سے واپس آنا۔

(12) ''اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد'' آہستہ آہستہ کہتے ہوئے عید گاہ کی طرف جانا۔

(13) نمازِ عید کے لیے پیدل جانا۔تاہم اگر عید گاہ زیادہ دُور ہو یا کمزوری کے باعث پیدل نہ جا سکتے ہوں، تو سواری پر بھی جانے میں مضائقہ نہیں۔

تفریح، مگر حدود کے اندر

یومِ عید اپنی اصل میں ایک مذہبی تہوار ہے، اس لیے اِس روز ہونے والی تمام سرگرمیوں کو اسی تناظر میں ترتیب دیا جانا چاہیے۔

تاہم، یہ بھی ذہن میں رہے کہ اسلام نے خوشی کے اظہار سے منع نہیں کیا اور نہ ہی اسلام کے نزدیک تقویٰ و پرہیزگاری کا مطلب خشک مزاجی

اور رُوکھا پن ہے۔

البتہ، اسلام نے تہواروں اور تفریحات کو کچھ حدود و قیود کا پابند ضرور بنایا ہے تاکہ بے لگام خواہشات اور نفس پرستی کی راہ روکی جا سکے۔

عید کا آغاز، دو رکعت نماز سے ہوتا ہے، جو اس بات کا اظہار ہے کہ کوئی بھی مسلمان اپنی مذہبی اور تہذیبی روایات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے لاپروا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

''عید کا دن تھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرے کے سامنے حبشہ کے کچھ لوگ نیزوں اور ڈھالوں کے ساتھ کرتب دِکھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دروازے میں سے اُنہیں دیکھ کر خوشی کا اظہار فرما رہے تھے اور مَیں بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چادر مبارک کی پیچھے چُھپ کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت دیر تک مجھے چادر کی اوٹ میں چھپائے اُن غلاموں کا کھیل دِکھاتے رہے۔ جب میرا جی بھر گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''بس!''

مَیں نے عرض کیا: ''جی ہاں''

فرمایا: ''تو جاؤ!'' (بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عید کے دن ہمارے گھر میں کچھ بچیاں جنگِ بعاث سے متعلق کچھ اشعار گنگنا رہی تھیں، اسی دَوران حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور کہنے لگے:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر میں یہ ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا:

''اے ابوبکرؓ! انہیں رہنے دو، ہر قوم کے لیے تہوار کا ایک دن ہوتا ہے، آج ہمارے لیے عید کا دن ہے۔'' (بخاری)

شوال کے چھے روزے

رمضان المبارک کے بعد ماہِ شوال میں چھے روزے رکھنا مستحب ہیں اور احادیثِ مبارکہ میں ان کی بہت فضیلت اور ترغیب آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اُس کے بعد ماہِ شوال میں چھے نفلی روزے رکھے، تو اُس کا یہ عمل ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہو گا۔''

حضرت ابوایّوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھے روزے رکھے، تو یہ ایسا ہے، جیسے پورے سال کے روزے ہوں۔'' (صحیح مسلم)

یہ روزے مسلسل بھی رکھے جا سکتے ہیں اور وقفہ دے کر بھی، یعنی اپنی سہولت کے مطابق شیڈول ترتیب دیا جا سکتا ہے۔

☆......☆......☆

بقیہ: کمپیوٹر ماموں

"الہ دین کا جن یاد آ گیا۔ ننھے میاں، جن اگر آج ہوتا تو مجھ کو ساتھ لے کر گھومتا۔ میں تو اس سے بھی بڑا جن ہوں۔"

"ارے باپ رے۔ تو پھر میں آپ کو حکم کیسے دوں گا؟"

"آسان ہے ننھے میاں" کمپیوٹر بولا۔

"یہ جو میرے ہاتھ میں بساط دیکھ رہے ہیں نہ۔ کلیدی بساط۔ بس اس کے ذریعہ اپنا حکم داخل کر دیجیے۔ میں فوراً کام میں لگ جاؤں گا۔"

"واہ۔ آپ تو بڑے کام کی چیز ہیں۔ پھر میں آپ سے ڈرتا کیوں ہوں؟" ننھے میاں کے مونھ سے نکل ہی گیا۔

"اچھا۔" کمپیوٹر بولا۔ "آپ اب بھی ڈرتے ہیں مجھ سے؟"

"نہیں، نہیں۔" ننھے میاں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً تن کر بیٹھ گئے۔

"میں تو آپ کی دم کھینچوں گا۔"

ننھے میاں بستر پر کھڑے ہو گئے۔ جیسے سچ مچ اس کی دم کھینچنے جا رہے ہوں۔ کمپیوٹر چلا پڑا۔

"نہیں میری دم نہ کھینچنا۔ پھر سب مجھے دم کٹا کہیں گے۔"

اور وہ بھاگ کر کھڑکی سے باہر کود گیا۔ ننھے میاں اس کو پکارتے رہ گئے۔

"کمپیوٹر ماموں! مت جائیے! میں دم نہیں کھینچوں گا۔ میں صرف موش سے کھیلوں گا۔"

مگر کمپیوٹر تو اب ننھے میاں سے ڈر گیا تھا۔ وہ نہ ٹھہرا۔ البتہ یہ چیخ پکار سن کر ابا بھاگتے ہوئے آ گئے۔

"کیا ہوا ننھے میاں؟ کون تھا؟"

ابا نے پوچھا۔

"کمپیوٹر ماموں۔ وہ چلے گئے۔" ننھے میاں روہانسے ہو گئے۔

"کمپیوٹر ماموں؟" ابا کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانکتے ہوئے بولے۔

"آپ نے خواب دیکھا ہوگا ننھے میاں!"

"نہیں۔ خواب نہیں تھا۔"

ننھے میاں اڑ گئے۔

"ابھی کمپیوٹر ماموں تھے یہاں۔"

"کون تھا؟ کیا خواب دیکھ لیا؟" امی اندر آتی ہوئی بولیں۔

"ننھے میاں! آپ جاگ پڑے۔ چلئے اچھا ہوا۔ اسکول کی تیاری شروع کرتے ہیں۔"

اسکول کا نام سنتے ہی ننھے میاں پھر سے بستر میں گھس گئے۔

"نہیں نہیں۔ میں تو ابھی سو رہا ہوں۔ ابھی تو ابا نے بتایا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"اچھا!" امی بولیں۔

"آپ تو کل بتا رہے تھے کہ آپ کے اسکول

میں بہت سارے کمپیوٹر ہیں۔''

''ہیں۔ بالکل ہیں۔'' ننھے میاں پھر سے اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

''بہت سارے۔ میں تو اسکول جا رہا ہوں۔ جلدی سے تیار ہو جاتے ہیں۔ کہیں دیر نہ ہو جائے۔''

ابا اسکول کے پھاٹک تک آئے۔ ننھے میاں نے خوشی خوشی ان کو خدا حافظ کہا اور کلاس کی طرف چل دیے۔ گھنٹہ بجنے تک ننھے میاں اپنے سب دوستوں میں ہی نہیں بلکہ پورے درجہ میں اپنی نئی معلومات کی دھاک قائم کر چکے تھے۔ جب ٹیچر نے پوچھا۔

''آج کیا پڑھیں گے آپ لوگ؟'' تو ننھے میاں نے فوراً ہاتھ کھڑا کر دیا اور زور سے بولے۔

''کمپیوٹر''

''اچھا؟'' ٹیچر نے کہا۔

''کل تو آپ سب سے پیچھے چل رہے تھے۔''

''وہ اس لئے نہ ٹیچر کہ مجھے کمپیوٹر کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے ناں۔'' ننھے میاں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''اچھا!'' ٹیچر نے ذرا حیرت سے کہا۔

''آپ کو کیا کیا معلوم ہے؟ ذرا یہاں آ کر سب کو بتائیں گے۔''

ننھے میاں تو جیسے اس لمحہ کا ہی انتظار کر رہے تھے: ''کمپیوٹر ماموں بہت سے کام کر سکتے ہیں۔ ان کو دنیا کی ہر بات معلوم ہے۔ جب ہمیں ان سے کچھ پوچھنا ہوتا ہے تو ہم کلیدی بساط کے ذریعہ لکھ کر ان کو حکم دے سکتے ہیں اور وہ اپنی آرسی پر فوراً جواب دکھا دیتے ہیں۔

اور ان کی دم میں ایک موش لٹکتا رہتا ہے جس سے ٹُک ٹُک کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔''

ننھے میاں سانس لینے کو بھی نہ رکے اور ٹیچر کے مونہہ سے صرف ایک لفظ نکلا۔

''ایں۔''

یہ سب تو ان کو بھی نہ معلوم تھا۔ کچھ دیر تک تو وہ ننھے میاں کو دیکھتی رہیں، پھر ہنس پڑیں۔ انھوں نے ننھے میاں کو گود میں اُٹھا لیا اور پورے درجے سے مخاطب ہوئیں۔

''ننھے میاں کو تو واقعی کمپیوٹر کے بارے میں بہت کچھ آتا ہے۔ اب کے جب ہم کمپیوٹر کی پڑھائی پڑھیں گے تو ننھے میاں ہی سب کو پڑھائیں گے۔'' وہ ننھے میاں سے مخاطب ہوئیں۔

''کیوں ننھے میاں؟''

''جی ہاں ٹیچر!'' ننھے میاں نے زور سے کہا۔

وہ بہت خوش تھے۔ ان کی ٹیچر نے سب کے سامنے ان کی تعریف کی تھی۔ ان کو گود میں لیا تھا۔ کتنی پیاری ہیں یہ ٹیچر۔ ننھے میاں دل میں سوچ رہے تھے۔

☆......☆......☆

☆......☆......☆



وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارہابی

وہ ایک قبیلے کے سردار تھے۔ان کا قبیلہ مدینہ منورہ کا مشہور قبیلہ تھا۔ایک دن انھیں علم ہوا کہ اسعد بن زرارہ مکہ سے مسلمان ہو کر لوٹ آئے ہیں اور اپنے ساتھ ایک مسلمان مبلغ بھی لائے ہیں جو لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔یہ سن کر انھیں سخت غصہ آیا۔انھوں نے نیزہ اٹھایا اور اس باغ کے احاطے میں جا پہنچے جہاں حضرت مصعب بن عمیر اسلام کی تعلیم دے رہے تھے۔وہاں پہنچ کر انھوں نے سخت لہجے میں بات چیت شروع کر دی۔بولے:

”یہاں کس لیے آئے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنانے کے لیے؟ اگر تمھیں زندگی پیاری ہے تو یہاں سے چلے جاؤ!“

حضرت مُصعب بن عمیر رضیَ اللہُ عنہ نے نرمی سے کہا:

”ذرا بیٹھ کر میری بات تو سُن لیں، اگر میری بات سمجھ میں آجائے تو اسے مان لینا اور اگر پسند نہ آئے تو ہم تمھیں مجبور نہیں کریں گے۔“

یہ سُن کر انھوں نے کہا:

”یہ بات تو فائدے کی کہی ہے۔“

اور اپنا نیزہ زمین پر گاڑ کر حضرت مُصعب رضیَ اللہُ عنہ کے پاس بیٹھ گئے۔حضرت سیدنا مُصعب بن عمیر رضیَ اللہُ عنہ نے آپ کو اسلام کے بارے میں بتانا شروع کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا تو آپ کے آثار بدل گئے، کہنے لگے:

”کیا ہی اچھا اور پسندیدہ دِین ہے۔“

پھر اسلام قبول کرلیا۔

آپ ماہر نیزہ باز، بہترین تیراک اور عمدہ کاتب تھے، اسی لیے لوگ آپ کو کامل بھی کہتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت بھی خوب صورت آواز میں کرتے تھے۔انھی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات سورۂ بقرہ کی تلاوت کررہے تھے۔قریب ہی گھوڑا بندھا ہوا تھا اور گھوڑے کے قریب ہی ان کا بیٹا یحییٰ سو رہا تھا۔قراءت جاری تھی کہ اچانک گھوڑا بدکنے لگا۔انھوں نے پڑھنا بند کیا تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا، انھوں نے پڑھنا شروع کیا تو گھوڑا پھر کودنے لگا، دوبارہ چپ ہوئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔تیسری مرتبہ پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر اُچھلنے لگا، اب انھیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں گھوڑا بچے کو کُچل نہ دے۔چنانچہ بچے کے قریب آکر اسے اٹھایا تو نظر آسمان کی جانب اٹھ گئی، دیکھا کہ سائبان کی مانند کوئی چیز ہے جس میں بہت سے چراغ روشن ہیں۔پھر صبح کو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا تو رحمتِ عالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

”یہ فرشتوں کی مقدس جماعت تھی جو تمھاری تلاوت کی وجہ سے قریب آگئی تھی اگر تم تلاوت کرتے رہتے تو صبح ہوجاتی اور لوگ انھیں دیکھ لیتے اور فرشتے بھی ان سے نہ چھپتے۔“

انھوں نے غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی۔غزوہ احد میں سات زخم اپنے جسم پر سجائے۔فتح بیت المقدس کے موقع پر بھی آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ان کا انتقال بیس ہجری میں ہوا۔

☆......☆......☆

شمارہ رمضان المبارک کا درست جواب:
حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ رمضان المبارک کے انعام یافتہ

محمد حسین۔ کراچی

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

محمد وسیم۔ بنت نورالٰہی۔ شمائلہ نذیر۔ دانیال حسن چغتائی۔ محمد نصیر۔ آمنہ مجید۔ محمد حسین۔ عمار حسین۔ غلام اسحاق۔ بنت کلثوم۔ محمد نسیم۔ محمد کلیم اللہ۔ فوزیہ مجید۔ بنت ابوبکر۔ خلیق احمد۔ عثمان کلیم۔





دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

سوال: آپ نے عید کے لئے کیا خاص تیاری کی ہے؟

جواب: ربڑ کے دودھ میں پلاسٹک کی سویاں پکوا رہے ہیں بطورِ خاص!!

(صبغۃ نور)

☆......☆......☆

سوال: الٹا جوتا سیدھا پاؤں۔کیا مطلب ہوا؟

جواب: اس کا مطلب ہے کہ سیدھا جوتا الٹے پاؤں میں ہے۔

(بنت نورالہی)

سوال: عید پر کڑک دار نوٹوں کی عیدی چاہیئے آپ سے۔کیا آپ ہمیں دیں گے؟

جواب: معاف کرو بابا۔

(عائشہ بتول)

☆......☆......☆

سوال: مہنگائی کے اس دور میں پارٹ ٹائم کوئی ایسا کام بتائیں جس میں محنت نہ کرنی پڑے اور آمدنی زیادہ ہو؟

جواب: پارٹ ٹائم مانگنا شروع کردیں۔

(محمد انس)

سوال: آپ اتنے بڑے دانشور ہیں کن کن ممالک کا سفر کر چکے ہیں؟

جواب: جی کئی ملک دیکھے ہیں لیکن کن کن ملک کا ویزہ نہیں مل سکا۔

(قانتہ رابعہ)

☆......☆......☆

سوال: دس کو دس سے ضرب دے کر پندرہ سے تقسیم کریں تو کیا جواب آتا ہے؟

جواب: دس کو دس سے ضرب دے کر پندرہ پر تقسیم کر دیا لیکن کوئی جواب ہی نہیں دے رہا۔

(ضیاء الرحمن)

☆......☆......☆

سوال: بوجھ بجھکڑ کو انگلش زبان میں کیا کہیں گے؟

جواب: مسٹر بوج بوجیکر

(عامر فاروق)

☆......☆......☆

سوال: رمضان میں شیطان ابلیس کو قید کر لیا جاتا ہے تو پھر بھی ہم سے غلط کام کیوں ہو جاتے ہیں؟

جواب: کیونکہ صرف شیطان قید ہوتا ہے ہم نہیں۔

(حبیبہ قدسیہ)

☆......☆......☆

سوال: دن کا رنگ سفید اور رات کا رنگ کالا تو دوپہر کا رنگ کیا ہوتا ہے؟

جواب: منہ کالا

(بنت ابوبکر)

☆......☆......☆

سوال: جناب بوجھ بجھکڑ صاحب! کیا کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے آپ کو لوٹ لیا ہو؟

جواب: ایسا کب ہوا کہ ہمیں کسی نے نہ لوٹا ہو؟

(محمد حسین کراچی)

☆......☆......☆

بہار آئے گی

اگر آپ سوچ رہے ہیں کہ....

ہر چیز آپ کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے اور حالات آپ کے موافق نہیں ہیں تو ایک دفعہ اس درخت کے بارے میں ضرور سوچنا جو ایک ایک کر کے اپنے تمام پتے کھو دیتا ہے۔

لیکن پھر بھی کھڑا رہتا ہے اس امید پر کہ... بہار کے دن آئیں گے۔

عبدالحفیظ

آپ کی پسند

جانباز مجاہد

وہ دیکھو وادی کشمیر کے جانباز جاتے ہیں
ستارے اپنی آنکھیں جن کی راہوں میں بچھاتے ہیں
یہی وہ ہیں جو ایمان کی خاطر جان دے دے کر
عدو کے آہنی پنجوں سے ہم سب کو بچاتے ہیں
جہاں انسانیت کی آبرو ملتی ہے مٹی میں
وہاں یہ عزت غیرت سے اپنا خون بہاتے ہیں
زمانے بھر کی دولت ان کے اس ایثار پر قربان
یہ ہم پر ڈھال بن کر گولیاں سینے پہ کھاتے ہیں
جہاں ہیبت سے خود دشمن کی جرأت کانپ اُٹھتی ہے
یہ اس خونی فضا میں فتح کے پرچم اٹھاتے ہیں
کبھی آسان باتوں پر خوشی ہوئی نہیں ان کو
کہ یہ دشواریوں پر فتح پا کر مسکراتے ہیں
جزاک اللہ جانبازوں کا یہ جوش جواں مردی
کہ اپنی زندگی سے کھیل کر جانیں لٹاتے ہیں
خدا وند تیرے محبوب کی امت پہ حملہ ہے
تیری نصرت پر یہ غازی مجاہد فتح پاتے ہیں

(انتخاب: سید عزیر، معاذ بخاری، باگڑیاں)

☆......☆......☆

دیوبند کی شان

دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا
ظلم وستم کا جوبن پھر بھی نہ حق چھپایا
بنیاد خود رکھی تھی سرکار دو جہاں ﷺ نے
حضرت نانا تویؒ کو یہ سہانا خواب آیا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا
وہ تھانویؒ لاہوریؒ عبداللہ دہلویؒ بھی
ان اولیاء میں حضرت درخواستیؒ بھی آیا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا
الیاسؒ کے لحد پر پہلے رحمتوں کی بارش
جس نے گلی گلی میں اسلام کو پھیلایا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا
حشر میں جھنگ کی گلیو! دربار رب میں کہنا
جب موت سامنے تھی میرا جھنگوی مسکرایا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا
جان راہِ حق میں دے دی شعیبؒ وقاسمیؒ نے
زندان میں فاروقی ہے خون میں نہایا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا

وہ شیر دل مجاہد اور جیل کی سلاخیں
اعظم شہیدؒ کے ولولے میں زرا فرق بھی نہ آیا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا
تحریک دیو بند میں غازیؒ، ولیؒ، مجاہدؒ
شہدائ کا خون دیکھا جب ورک ایک دیکھا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول ہے نرالا
مصائب وہ مال لوٹا کے محمودؒ ہنس کے جھیلے
سید عطاء اللہؒ جیلوں میں مسکرایا
دیو بند کے گلشن کا ہر پھول نرالا
ظلم وستم کا جو بن پھر بھی نہ حق چھپایا
(انتخاب: رضوان سولگی،نعمان معاویہ)

☆......☆......☆

ماں کی یاد میں

سونی سونی ڈگر اجڑ اجڑ چمن
بن ترے یہ نہ مہکے مشک ختن
ٹوٹ کر جیسے گرجائے گا یہ گگن
میری ماں تو ہے جنت میں مست ومگن
کیسے تجھ کو کہوں پھر سے آجا یہاں
میری ماں، میری، ماں میری
یہ تو ممکن نہیں بھول جاؤں تجھے
رات دن فکر ہے کیسے پاؤں تجھے
دل میں کیا ہے تمنا بتاؤں تجھے
اپنے اللہ سے مانگ لاؤں تجھے
یہ تو ممکن نہیں اب ملیں گے وہاں
میری ماں، میری ماں، میری ماں
مشکلوں میں نہ ماتھے پر تیرے شکن
یہ تو تائید غیبی کا تھا بانکپن
تیرے بن سونی سونی ہے انجمن
دل کو بھاتا نہیں ہے یہ چرخ کہن
کس کو اپنی سنائیں گے ہم داستاں
میری ماں، میری ماں، میری ماں
میرے والد کا تا دیر سایہ رہے
ان کی چشم عنایت کا دریا رہے
ان کی محنت مشقت سے ہم ہیں پلے
دل سے خدمت کریں ان کی اب بن کہے
ان کی خدمت کا وعدہ لیا تو نے ہاں
میری ماں، میری ماں، میری ماں
قبر تیرا بنے ایک عمدہ چمن
تیرا میلا نہ ہو تا قیامت کفن
سوتی رہ جیسے سوتی ہو کوئی دلہن
یہ دعا کرتے ہیں سارے ہی مردو وزن
تجھ کو مل جائے جنت میں بہتر مکان
میری ماں، میری ماں، میری ماں
صبر کرتا تو ہوں صبر آتا نہیں
سامنے تیری صورت کوئی بھاتا نہیں
تیرا پیغام اب کوئی لاتا نہیں
درد دل ہائے رے میرا جاتا نہیں
الحفیظ الاماں الحفیظ الاماں

میری ماں، میری ماں، میری ماں
یہ کامیابیاں، عزت، یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے
تمہارے دم سے ہیں میرے لہو میں کھلتے گلاب
میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
کہاں بساط جہاں اور میں کم سن ناداں
یہ میری محبت کا سارا اہتمام تم سے ہے
(انتخاب: ام ایمن، ام احسان، خیر پور ٹامیوالی)

اللہ مجھے حافظ قرآن بنا دے

اللہ مجھے حافظ قرآن بنادے
قرآن کے احکام پہ بھی مجھ کو چلادے
ہوجائے سبق یاد مجھے جلد الٰہی
یارب میرا حافظہ مضبوط بنا دے
سستی ہو میری دور اٹھوں جلد سویرے
تو مدرسے میں دل میرا اللہ لگا دے
ہو مدرسے کا مجھ سے نہ نقصان کبھی بھی
اللہ یہاں کے مجھے آداب سکھا دے
چھٹی نہ کروں بھول کے بھی مدرسے کی میں
اوقات کا بھی مجھ کو پابند بنا دے
استاد ہوں موجود یا باہر کہیں مصروف
عادت تو میری شور مچانے کی مٹا دے
خصلت ہو میری شرارت کی دور الٰہی
سنجیدہ بنادے مجھے سنجیدہ بنادے
استاد کی کرتا رہوں ہر دم میں اطاعت
ماں باپ کی عزت کی بھی توفیق خدا دے
کپڑے میں رکھوں صاف تو دل کو میرے کر صاف
فلموں سے ڈراموں سے دے نفرت تو الٰہی
بس شوق ہمیں نعت وتلاوت کا خدا دے
میں ساتھ جماعت کے پڑھوں ساری نمازیں
اللہ عبادت میں میرے دل کو لگا دے
میں جھوٹ نہ بولوں کبھی گالی نہ نکالوں
ہر ایک مرض سے تو گناہوں سے شفاء دے
میں فالتو باتوں سے رہوں دور ہمیشہ
جب رہنے کا سلیقہ تو سکھادے
اخلاق ہوں اچھے میرا کردار ہو اچھا
محبوب ﷺ کا صدقہ تو مجھے نیک بنا دے
استاد ہوں ماں باپ ہوں ساتھ
یوں حج کو چلیں اور مدینہ بھی دکھادے
(انتخاب: ساجدہ انور، گاؤں مدھانیوالا)

☆......☆......☆

ماں کا خواب

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جارہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال
قدم کا تھا دہشت سے اُٹھنا محال
جو کچھ حوصلہ پاکے آگے بڑھی

تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
وہ چُپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں
خدا جانے جانا تھا اُن کو کہاں
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پسر
مجھے اس جماعت میں آیا نظر
وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دیا اُس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا
کہا میں نے پہچان کر میری جاں!
مجھے چھوڑ کر آگے تم کہاں
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار
نہ پروا ہماری زرا تم نے کی
گئے چھوڑ اچھی وفا تم نے کی
جو بچے نے دیکھا میرا پیچ وتاب
دیا اُس نے منہ پھیر کر یوں جواب
رُلاتی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھلائی مری
یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چُپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
سمجھتی ہے تو ہوگیا کیا اسے
ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے

(انتخاب: اقصیٰ رشید، خیر پورٹا میوالی)

☆......☆......☆

اُٹھو، اُٹھو، اُٹھو، اُٹھو

مجاہدو مجاہدو، کمر کسو کمر کسو
سحر سے پہلے چل پڑو
کڑی ہے راہ دوستو
تھکن کا نام بھی نہ لو
بڑھے چلو، بڑھے چلو
جھجک نہ دل میں لاؤ تم
بس اب قدم بڑھاؤ تم
ذرہ نہ ڈگمگاؤ تم
خُدا سے لو لگاؤ تم
بددل ومضطرب نہ ہو
بڑھے چلو، بڑھے چلو
اُٹھایا قدم اگر
تو ختم ہے بس اب سفر
چلے چلو، چلے چلو
بڑھے چلو، بڑھے چلو
تمہارے ہم سفر تھے جو
وہ منزلوں سے جا لگے
سب آگے تم سے بڑھ گئے
مگر تم تو ہو ابھی تک پڑے ہوئے
زرہ سمجھ سے کام لو
بڑھے چلو، بڑھے چلو

انتخاب: مدثر بن اعظم، شاہی والا بنگلہ

مسلمان بچوں کو ایک پیغام
رات ہو یا دن ہو یا شام
میرا ہے بس ایک ہی کام
نیکی کو کرنا ہے عام نام میرا بزِم پیغام
صبح سویرے اٹھ کر بچو! کرو وضو پڑھو نماز
کرو تلاوت قرآن کی یونہی ہو ہر دن کا آغاز
سارے بُرے کاموں سے توبہ کرلو اور آجاؤ باز
نیک بنو نیکی پھیلاؤ کا یہ عہد نبھاؤ تم
پاک نبی ﷺ کی ہر سنت ہر عادت کو اپناؤ تم
علم و عمل کے میدانوں میں آگے بڑھتے جاؤ تم
جتنے بھی اچھے بچے ہیں لگتے سب کو پیارے ہیں
باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک،
ماؤں کے راج دلارے ہیں
آج مسلمان کے سب بچوں کو مل کر عہد یہ کرنا ہے
اچھائی کو پھیلانا ہے اور نیکی کا دم بھرنا ہے
اپنے پیارے دین کی خاطر جینا اور مرنا ہے
آقا کا فرمان ہے کہ بچے جنت کے ہیں پھول سبھی
ہے بزم پیغام کا سب بچوں کو ایک پیغام یہی
اپنے بُرے اعمال سے رب مت کرنا ناراض کبھی
اچھائی کو پھیلانا ہے اور نیکی کا دم بھرنا ہے

(انتخاب: عائشہ عبدالطیف، مدھانی والا)

☆......☆......☆

خدا سے پوچھو مقام ان کا

بتا سکے گا نہ کوئی بندہ خدا سے پوچھو مقام ان کا
بڑے ادب سے تھے نام لیتے پیمبران کرام ان کا
وہ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں
وہ دونوں عالم کے سربراہ ہیں
مرے لئے کیا یہ فخر کم ہے کہ
میں بھی ہوں اک غلام ان کا
خدا غفور الرحیم میرا، نبی رؤف الرحیم میرا
خدا کا ہے کام بخش دینا تو بخشوانا ہے کام ان کا
وہ حسن کون ومکاں ہیں بے شک،
وہ رحمت دو جہاں ہیں بے شک
وہ خیر ہی خیر ہیں، سراپا لقب ہے خیرالانام ان کا
بڑی محبت سے دیکھتے تھے ادھر صحابہ ادھر فرشتے
سکوت ان کا کلام ان کا نشست ان کی خرام ان کا
خدا کے بندو! نبی کا فرماں تو اصل میں ہے خدا کا فرماں
خدا کا اس کو کلام سمجھو! سنا جو تم نے کلام ان کا
جو ان کی محبوب اہلیہ ہیں وہ بنتِ صدیق عائشہ ہیں
انہی کا حجرہ تا قیامت رہے گا جس میں قیام ان کا
بلند تھا بام ہر نبی کا، بچشمِ ایماں جو میں نے دیکھا
مگر امیںؐ بلند تھا سب سے بام ان کا

(انتخاب: بریرہ عزیر، کراچی)

☆......☆......☆





تحریروں کی دُنیا

اہتمام کی ذمہ داری

جب آدمی فکر مند ہوتا ہے اور دعائیں مانگتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں۔ اس لیے حدیث میں غفلت سے پناہ مانگی گئی ہے:

"اللھم لاتجعلنا من الغافلین"

اے اللہ مجھے غافلین میں سے نہ کر دیں۔

ایک بزرگ کی دعا تھی کہ اے اللہ! امور مفوضہ کو اچھی طرح ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے کے لیے مختلف علاقوں کی طرف سے جماعتیں پے در پے مدینہ پہنچ رہی تھیں۔ ایک روز صبح کو اہل بحرین کی ایک جماعت بعض دوسرے قبائل کے وفود کے ساتھ بیعت کے لیے حاضر ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ ہر جماعت کی بات بڑے غور اور دل چسپی سے سنتے۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ ان کی گفتگو میں انہیں کوئی عمدہ نصیحت، کوئی مفید مشورہ، کوئی سوچنے کا پہلو، یا دین اور عام مسلمانوں کے لیے خیر و فلاح اور ہمدردی کی کوئی بات مل جائے چنانچہ انہوں نے حاضرین میں سے متعدد لوگوں کو گفتگو کے لیے اپنے پاس بلایا لیکن ان میں سے کسی نے بھی کوئی خاص اور اہم بات نہ کہی۔

تب وہ ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوئے۔ جس کے چہرے پر خیر و برکت کے آثار نظر آرہے تھے جس سے وہ اندازہ کر چکے تھے کہ اس سے کوئی ضرور مفید اور قیمتی بات مل سکے گی اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا کہ آپ بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔

خلیفہ رضی اللہ عنہ کی اجازت پا کر اس شخص

نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف اور ارشاد فرمایا:

”اے امیر المؤمنین! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امت کے معاملات کی ذمہ داری سپرد کرکے آپ کو ایک زبردست امتحان میں ڈالا ہے تو آپ خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہمیشہ اس سے ڈرتے رہیں اور یہ جان لیجیے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے پر ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو قیامت کے دن اس کے متعلق آپ سے پوچھا جائے گا۔“

حضرت عمرؓ اس شخص کی یہ بات سن کر رو پڑے۔ ان کی آواز بلند ہوگئی پھر اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد سے اب تک کسی نے مجھ سے ایسی کھری اور صاف بات نہیں کہی جیسی کہ تم نے کہی ہے، تم کون ہو؟

اس شخص نے جواب دیا: میں ربیع بن زیاد حارثی ہوں۔

حضرت عمرؓ نے دریافت کیا: مہاجر زیاد کے بھائی ہو؟

حضرت ربیعؓ نے کہا، جی ہاں۔

اس کے بعد جب مجلس ختم ہوئی تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلایا اور ان سے تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ربیع بن زیاد کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لو! اگر یہ اپنی اس بات میں واقعی مخلص اور بے لوث ہیں جو انہوں نے مجھ سے کہی ہے تو یہ بڑی خوبیوں کے مالک اور بڑے کام کے آدمی ہیں اور حکومت کے سلسلے میں ہمیں ان سے بہت زیادہ تعاون و مدد کی امید ہے۔ تم کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کرکے ان کے حالات سے مجھے برابر آگاہ کرتے رہنا۔

(بحوالہ: صور من حیاۃ الصحابہ ص ۴۱۹)

(انتخاب: حافظ عمر فاروق۔ نوشہرہ ورکاں)

☆......☆......☆

اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو

حضرت اقدس شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے ایک مرتبہ دورانِ خطاب فرمایا:

”میرے ایک ساتھی تھے، دورۂ حدیث سے فارغ ہوکر ایک دوسرے ملک میں گئے تو وہاں ان کو کتابیں پڑھانے کا کوئی موقع ملا نہیں، اس لیے کہ نہ وہاں کوئی مدرسہ تھا نہ وہاں کوئی پڑھنے والا طالبعلم۔

چنانچہ ان کو ایک مسجد میں مکتب کی خدمت سپرد ہوگئی۔ میرا ایک دفعہ وہاں جانا ہوا تو ان کے منہ سے یہ بات نکلی کہ حضرت مجھے اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ میں نے اتنے سال تک درس نظامی کی تعلیم حاصل کی لیکن اب یہاں بچوں کو پڑھانے میں لگا ہوا ہوں۔ وقت ضائع ہو رہا ہے، یہ بات ان کے منہ سے نکل گئی۔ میں نے کہا: بھئی اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو! یہ وقت جو تم بچوں کی خدمت

میں لگا رہے ہو، یہ معمولی خدمت نہیں ہے۔ ارے! تم نے یہ پڑھا کیوں تھا، اس لیے پڑھا تھا تا کہ تم شیخ الحدیث کہلاؤ۔ اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ ہمارے ہاتھ پاؤں چومیں اس لیے پڑھا تھا کہ لوگ تمہیں بڑا عالم کہیں، اگر اس لیے پڑھا تھا تو یہ پڑھنا بیکار ہے اور اگر اس لیے پڑھا تھا کہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اگر اس لیے پڑھا تھا کہ میں اپنے دین کی خدمت جو بھی ہو جس وقت بھی ہو جس جگہ بھی بن پڑے انجام دوں پھر تو یہ پڑھنا مبارک ہے۔ اس لیے اگر یہاں کوئی اور خدمت میسر نہیں تو یہ بڑی عظیم خدمت ہے جو تم انجام دے رہے ہو، جو بچے تمہارے پاس پڑھنے کے لیے آرہے ہیں ان کو جب قرآن پڑھاؤ گے اور قرآن پڑھانے کے ساتھ ساتھ قرآن کے آداب و احکام کے مطابق ان کی تربیت کرو گے تو ان میں سے ایک ایک بچہ تمہارے لیے صدقہ جاریہ ہو گا اور جب یہ بچہ آگے جا کر یہی آداب، یہ اخلاق، یہ ہی علم دوسروں تک پہنچائے گا تو وہ تمہارے لیے صدقہ جاریہ ہو گا۔ قیامت تک اس کا ثواب تم تک پہنچے گا اور تم کہتے ہو کہ وقت ضائع ہو رہا ہے، یہ وقت ضائع نہیں ہو رہا بلکہ بہت بڑے کام میں لگ رہا ہے، بہر حال بھئی اس کی قدر پہچاننے کی ضرورت ہے۔" (اصلاحی خطبات، جلد نمبر ۱۹ ص ۲۲۲)

(انتخاب: قاسم شجاع آبادی)

☆......☆......☆

حضرت رابعہ بصریہؒ سے سوال و جواب

حضرت رابعہ بصریہؒ کا واقعہ ہے: کہ جب ان کا انتقال ہوا اور قبر میں فرشتوں نے سوال کیا:

''من ربک؟ مادینک؟''

تو انہوں نے فرمایا، تمہارے سوال کا جواب تو میں بعد کو دوں گی، پہلے تم میرے سوال کا جواب دو کہ تم کہاں سے آرہے ہو؟ کہا، آسمان سے۔ رابعہؒ نے کہا کہ آسمان و زمین میں کتنا فاصلہ ہے؟ تو فرشتوں نے کہا، پانچ سو برس کی مسافت ہے۔

فرمایا: تم خدا کو نہیں بھولے کہ اتنے دور سے آرہے ہو؟ فرشتوں نے فرمایا، ہم خدا کو نہیں بھولے۔

فرمایا: جب تم اتنی دور سے چل کر بھی خدا کو نہ بھولے تو کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ رابعہؒ زمین سے چار گز نیچے آکر خدا تعالیٰ کو بھول گئی ہو گی۔

حالانکہ زمین پر ایک ساعت بھی میں اسی سے غافل نہیں رہی۔ یہ سن کر فرشتے متعجب رہ گئے۔

اسی کو عارف فرماتے ہیں۔

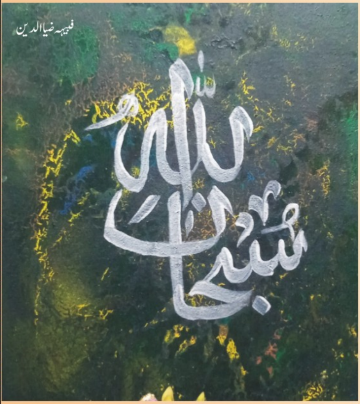
گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں
کہ ناز برفلک وحکم بر ستارہ کنم

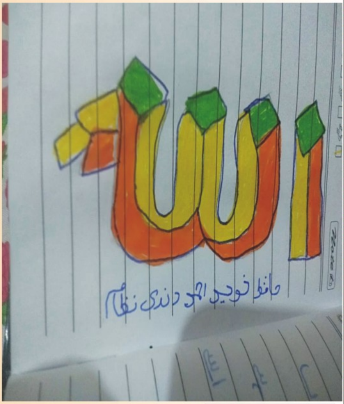
یعنی میں میکدہ کا ایک معمولی آدمی ہوں مگر مستی کے وقت میں آسمان اور ستاروں پر بادشاہت کرتا ہوں۔

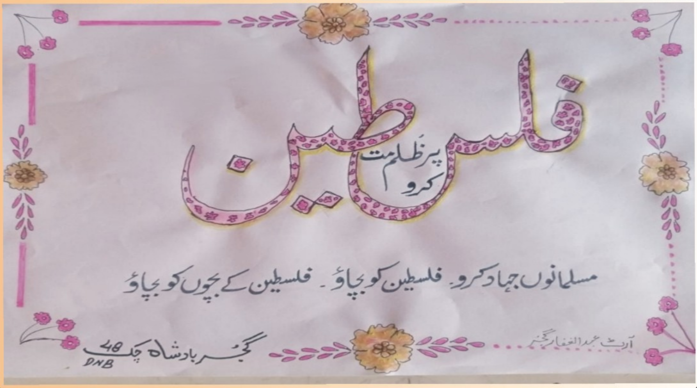
(حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات)

(حافظ محمد عباس انصاری، جامعۃ الصابر بہاولپور)

آرٹ گیلری


فبیہہ ضیاالدین
سبحان اللہ

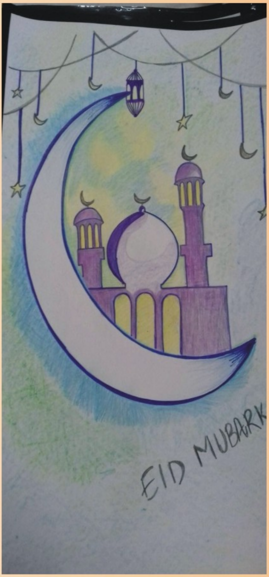

اللہ


فلسطین
پر ظلم مت کرو
مسلمانوں جہاد کرو۔ فلسطین کو بچاؤ۔ فلسطین کے بچوں کو بچاؤ
آرٹ عبدالغفار گجر
گجر بادشاہ چک 48 DNB


انشاء اللہ فلسطین کی فتح ہوگی !
فلسطین زندہ باد
فلسطین کی جلتی وادی میں بہتے ہوئے
خون کی ندیوں کا شور سنو !!
Hafiza Ayesha
Scanned with CamScanner





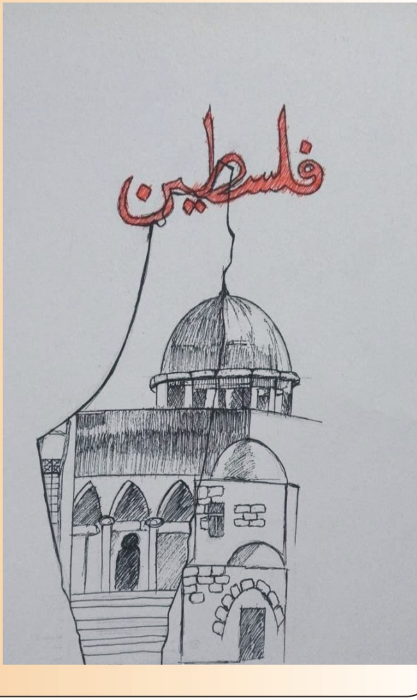

EID MUBARK





محمد بن حسان





عالیہ عبدالکلام

اب عید ہے

گیت خوشیوں کے گائیں کہ اب عید ہے
غم زدوں کو ہنسائیں کہ اب عید ہے

روشنی بانٹیں اب ہر طرف پیار کی
مت دلوں کو جلائیں کہ اب عید ہے

ماہِ رمضان میں جب کہ صائم رہے
خوب جی بھر کے کھائیں کہ اب عید ہے

یہ نہ سوچیں کہ کس نے دُکھایا تھا دل
مان جائیں منائیں کہ اب عید ہے

آپ ماموں ہیں چاچا ہیں یا بھائی ہیں
سیر ہم کو کرائیں کہ اب عید ہے

خرچ کرلیں غریبوں یتیموں پہ بھی
بخل یوں مت دکھائیں کہ اب عید ہے
جمع کرکے روپے کیا کریں گے بھلا
خوب عیدی لُٹائیں کہ اب عید ہے